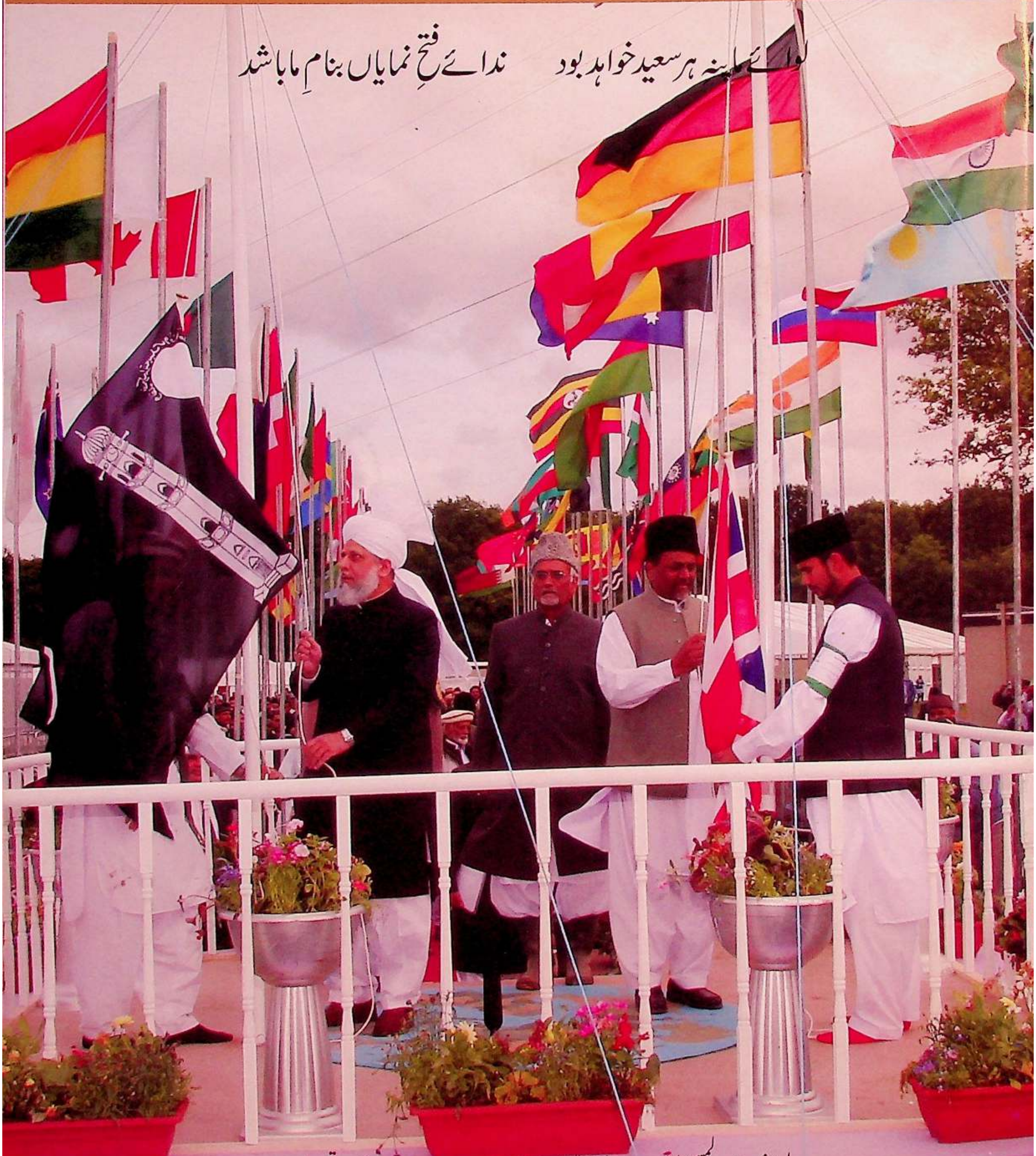
مجلس انصاراللہ یو.کے. کا علمی تعلیمی و تربیتی مجلہ

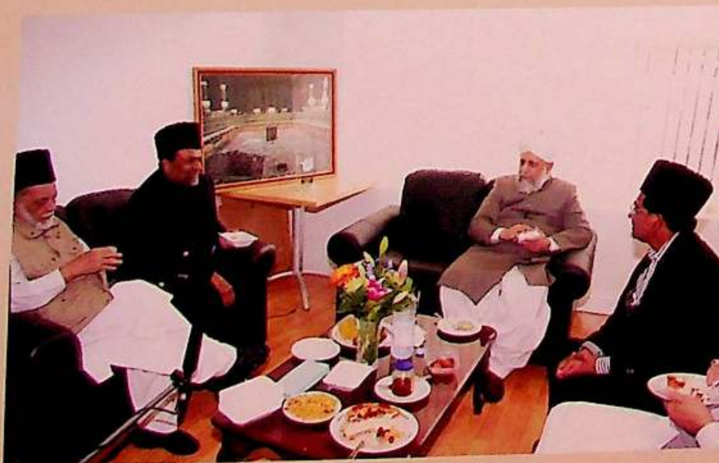
انصار الدین

وفاء-ظہور 1386 جلد 4 ، نمبر 4
جولائی-اگست 2007



سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جلسہ سالانہ 2007ء کے موقع پر لوائے احمدیت لہرا رہے ہیں




﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد۴ نمبر۴

جولائی ۔ اگست ۲۰۰۷ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

(انشاء اللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddin_uk@yahoo.co.uk

اداریہ:

قلمی جہاد

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس انصاراللہ یو کے کو اپنا تعلیمی اور تربیتی رسالہ شائع کرنے کی ہدایت فرمائی تھی جس کا نام خود حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ''انصارالدین'' تجویز فرمایا۔ ''انصارالدین'' کو جاری ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے چوتھا سال جا رہا ہے مگر قلمی معاونت کی شدید کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

جس عظیم الشان قلمی جہاد کا آغاز سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا، الحمدللہ جماعت احمدیہ شروع سے ہی اپنے آقا کی اتباع میں اس جہاد میں مصروف ہے۔ ہر اشاعت کا ایک اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ احباب جماعت کے ذاتی علم میں اضافہ ہو جیسا کہ ہمارے سیّد و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا مانگتے رہنا چاہئے ربّ زدنی علماً یعنی اے اللہ تو خود ہمارے علم میں اضافہ فرماتا چلا جا۔ اس دعا کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں کیونکہ ہر عمر کا انسان اپنے علم میں اضافہ کر سکتا ہے اور مختلف احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنا ایک فضیلت کا پہلو رکھتا ہے۔ دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ افراد کو اپنی اصلاح اور تربیت کی طرف توجہ پیدا ہو یعنی علم پر عمل کر کے اپنی روحانی ترقی کے سامان پیدا کریں۔ تیسرا مقصد یہ بھی ہے کہ اپنی شائع شدہ کتب اور رسائل غیروں تک تبلیغ کی غرض سے پہنچائے جائیں تا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم الکلام سے مستفیض ہو کر علم کے نور سے منوّر ہوں۔ اس لئے انصار کی خدمت میں گذارش ہے کہ خود بھی اس رسالہ کا مطالعہ فرمائیں اور اسے اپنے زیر تبلیغ احباب تک بھی پہنچائیں۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی انصار سے توقع ہے کہ یہ رسالہ جلد ہی ماہنامہ کی صورت اختیار کر جائے۔ فی الحال قلمی معاونت کی شدید کمی اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ بعض اہل علم احباب کی خدمت میں قلمی معاونت کی گذارش کی جاتی رہی ہے مگر نتائج خاطر خواہ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سلطان القلم کا خطاب عطا فرمایا تھا اور حضور اقدس ساری عمر قلمی جہاد میں مصروف رہے اور ایک عظیم الشان لٹریچر روحانی خزائن کی صورت میں رہتی دنیا تک یادگار چھوڑا۔ انصار بھائیوں سے درخواست ہے کہ مندرجہ بالا تینوں علمی، تربیتی اور تبلیغی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے آقا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قلمی جہاد میں شریک ہوں۔ دور حاضر کے مسائل کے پیش نظر قرآن کریم، احادیث النبی ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم الکلام سے فیض یاب ہو کر اپنے قلموں سے اسلام کی تائید میں مضامین لکھیں اور برکات حاصل کریں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو ۱۹۵۸ء میں رویاء میں تحریک کی گئی کہ احمدی نوجوانوں کو تحقیقی مضامین لکھنے اور اسلام و احمدیت کی تائید میں عملی لٹریچر تصنیف کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔ آپ نے جماعت کے اہل علم افراد کو مخاطب کرتے ہوئے ایک دفعہ تحریر فرمایا:

''اے عزیزو اور میرے دوستو! اپنے فرض کو پہچانو، سلطان القلم کی جماعت میں ہو کر اسلام کی قلمی خدمت میں وہ جوہر دکھاؤ کہ اسلاف کی تلواریں تمہاری قلموں پر فخر کریں۔ تمارے سینوں میں اب بھی سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید اور عمرو بن عاص اور دیگر صحابہ کرام اور قاسم اور قتیبہ اور طارق اور دوسرے فدایان اسلام کی روحیں باہر آنے کے لئے تڑپ رہیں ہیں۔ انہیں رستہ دو کہ جس طرح وہ قرون اولیٰ میں تلوار کے دھنی بنے اور ایک عالم کی آنکھوں کو اپنے کارناموں سے خیرہ کیا اسی طرح اب وہ تمہارے اندر سے ہو کر (کیونکہ خدا اب بھی انہی قدرتوں کا مالک ہے) قلم کے جوہر دکھائیں اور دنیا کی کایا پلٹ دیں''۔ (حیاتِ بشیر صفحہ ۴۳۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

درس القرآن

وَمِنْهُم مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورة بقرة 202)

ترجمہ: اوران میں سے کچھ (ایسے بھی ہوتے ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں اس دنیا کی (زندگی) میں (بھی) کامیابی دے اور آخرت میں (بھی) کامیابی (دے) اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ سے صرف دنیا ہی مانگتے ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں وہ یہی دعا کرتے ہیں ''ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے'' (متی باب 6 آیت 11) انہیں حرام وحلال سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ انہیں کسی چیز کے مفید یا مضر ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کا مطمع نظر محض دنیا طلبی ہوتا ہے...... ایک اور گروہ ایسا ہے جو یہ دعا کرتا ہے کہ الٰہی ہمیں دنیا میں بھی عزت بخش اور آخرت میں بھی ہمارے مقام کو بلند کر۔ اگر ہمیں دنیا ملے تو ہم اسے اپنی ذات کے لئے استعمال نہ کریں بلکہ تیرے دین کی شوکت ظاہر کرنے کیلئے استعمال کریں اور تیری خوشنودی کے لئے اسے صرف کریں۔ اگر ایسا ہو تو پھر انسان کو دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور بھی اس کا مرتبہ بڑھتا ہے۔ یہ دعا جو اسلام نے ہمیں سکھائی ہے بظاہر بہت چھوٹی سی دعا ہے لیکن ہر قسم کی انسانی ضرورتوں پر حاوی ہے۔ انسان کہتا ہے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً اے ہمارے ربّ! ہم کو اس دنیا میں حسنہ دے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حسنہ کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے یہ درست نہیں حسنات کا لفظ استعمال کرنا چاہئے تھا جس کے معنے بہت سی نیکیوں کے ہیں۔ مگر یہ اعتراض عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر یہاں حسنات کا لفظ ہوتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ ہمیں کچھ اچھی چیزیں ملیں لیکن حسنہ کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں جو کچھ بھی ملے خیر ملے۔ پس رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً کے یہ معنے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! دنیا میں ہم کو جو کچھ دے حسنہ دے۔ روٹی دے تو حلال ہو، طیب ہو، پچنے والی ہو۔ کپڑا دے تو حلال دے طیب دے۔ ضرورت کے مطابق دے ننگ ڈھانکنے والا دے پسندیدہ دے۔ بیوی دے تو ایسی دے جو ہمدرد ہو، ہم خیال ہو، دیندار ہو، محبت کرنیوالی ہو، نیکی میں تعاون کرنے والی ہو، بچے پیدا کرنے والی ہو اور ان بچوں کی نیک تربیت کرنے والی ہو۔ مکان دے تو مبارک ہو...... ہمیں حاکم دے تو تُو ایسے دے جو رحم دل ہوں ماتحتوں سے محبت کرنے والے ہوں۔ استاد دے تو ایسے ہوں جو علم رکھنے والے اور اچھا پڑھانے والے ہوں...... دوست دے تو ایسے ہوں جو خیر خواہ ہوں محبت کرنے والے ہوں مصیبت میں کام آنے والے ہوں خوشی میں شریک ہونے والے ہوں دکھوں میں ہاتھ بٹانے والے ہوں غرض رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً اے ہمارے ربّ! دنیا میں ہم کو وہ چیز دے جو حسنہ ہو۔ پس یہاں حسنات کی بجائے حسنہ کا لفظ رکھ کر اس کے مفہوم کو خدا تعالیٰ نے وسیع کر دیا۔ اور جب مومن یہ دعا کرتا ہے تو دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہتا ہے کہ خدایا مجھے ہر وہ چیز دے جو میری ضرورت کے مطابق ہو اور پھر وہ چیز ایسی ہو جو نہایت اچھی ہو۔ اپنی خوبیوں اور فوائد کے لحاظ سے اچھی ہو۔ یعنی مومن اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ خدایا مجھے جو بھی چیز دے وہ ایسی ہو جو ظاہری اور باطنی دونوں خوبیاں رکھتی ہو۔

پھر فرمایا وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً آخرت میں بھی ہمیں وہ چیزیں دے جو حسنہ ہو۔ یعنی وہ بھی ظاہر و باطن میں ہمارے لئے اچھی ہو۔ آخرت میں حسنہ صرف جنت ہے جس کا ظاہر بھی اچھا ہے اور باطن بھی اچھا ہے۔ پھر فرمایا وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہم کو عذاب نار سے بچا۔ اس سے مراد وہی عذاب نار مراد نہیں جو مرنے کے بعد ملے گا۔ یہ عذاب نار دنیا کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی دعاؤں کے بعد وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہا گیا ہے۔ پس وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کے معنے یہ ہیں کہ ہمیں دنیا کے عذاب نار سے بھی بچا اور آخرت کے عذاب نار سے بھی محفوظ رکھ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کئی لوگ عذاب نار میں گرفتار ہیں انہیں کئی قسم کے دکھ ہوتے ہیں تکلیفیں ہوتی ہیں حسرتیں ہوتی ہیں قسم قسم کے مصائب ہوتے ہیں مگر جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ خدایا مجھے عذاب نار سے بچا تو خدا تعالیٰ اسے اس عذاب سے بچا لیتا ہے تب وہ چیزیں جو پہلے اس کے لئے نار تھیں جنت بن جاتی ہیں۔ اس طرح اس سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہے۔ جس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھلائی ہے۔ بظاہر یہ ایک مختصر سی دعا ہے بڑی جامع اور وسیع دعا ہے۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت ﷺ نے بہت سے مواقع پر جن خطرناک برائیوں کو دیگر برائیوں کی جڑ قرار دیا اُن میں تکبر بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین امور یا تین چیزیں تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔ پس ان تینوں سے ہوشیار رہو۔ دیکھو تکبر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے اس بات پر انگیخت کیا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا۔ اور حرص سے بچو کیونکہ یہ حرص اور لالچ ہی تھا جس نے آدم علیہ السلام کو شجرہ ممنوعہ کا پھل کھانے پر اکسایا۔ اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا۔

(مسلم کتاب البرّ والصلة)

جہاں تک تکبر کا تعلق ہے، یہ کسی انسان کو زیب نہیں دیتا۔ اگر ہر شخص اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے جو انسانی فطرت کا حصہ ہیں تو اُس میں تکبر پیدا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ جتنا بھی وہ غور کرتا چلا جائے اُس میں عاجزی اور انکساری بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ آنحضور ﷺ نے تکبر کرنے والوں کو متعدد بار انتباہ فرمایا ہے کہ اُن کا ٹھکانہ جہنم میں ہی ہوگا۔ چنانچہ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: کیا مَیں تمہیں اہلِ نار کے بارہ میں نہ بتاؤں؟ (پھر فرمایا:) ہر سخت دل، بدخُو، نیکی سے روکنے والا اور متکبر (دوزخی ہے)۔

(صحیح بخاری. کتاب تفسیر القرآن)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جو تکبر سے اپنا تہہ بند (زمین پر) گھسیٹتا ہے۔

(صحیح بخاری. کتاب اللباس)

دوسری احادیث میں آنحضور ﷺ نے متکبر اور مسکین کا فرق بھی اسی حوالہ سے بیان فرمایا کہ متکبر کا ٹھکانہ جہنم میں اور مسکین کا ٹھکانہ جنت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت کی آپس میں بحث و تکرار ہوگئی۔ دوزخ نے کہا کہ مجھ میں بڑے بڑے جابر اور متکبر داخل ہوتے ہیں اور جنت کہنے لگی کہ مجھ میں کمزور اور مسکین داخل ہوتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا کہ تُو میرے عذاب کی مظہر ہے۔ جسے مَیں چاہتا ہوں تیرے ذریعے عذاب دیتا ہوں اور جنت سے کہا: تُو میری رحمت کی مظہر ہے، جس پر مَیں چاہوں تیرے ذریعے رحم کرتا ہوں اور تم دونوں میں سے ہر ایک کو اس کا بھرپور حصہ ملے گا۔

(مسلم کتاب الجنة و صفة نعمها و أهلها)

تاہم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب تک تکبر کی پہچان پیدا نہ ہو، انسان تکبر کی کسی راہ کو اختیار کرلے یا پھر تکبر سے بچنے کی خاطر خدا تعالیٰ کی نعماء کو بھی اپنے اوپر حرام قرار دے لے۔ چنانچہ افراط و تفریط سے بچنے کی خاطر یہ حدیث قابل غور ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتی اچھی ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے اور لوگوں کو ذلیل و حقیر سمجھے۔

(صحیح مسلم. کتاب الایمان. باب تَحْرِيمِ الْكِبْرِ......)

کلام الامام

''اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درختِ وجود کی سر سبز شاخو!

جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی، اپنا آرام، اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اُسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے لیکن میں اس خدمت کے لئے معیّن طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کرسکتا۔ تاکہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں۔

میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون ہے؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے مجھے کون پہچانتا ہے صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے اُس طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں۔ دنیا مجھے قبول نہیں کرسکتی کیونکہ میں دنیا میں سے نہیں ہوں۔ مگر جن کی فطرت کو اُس عالم کا حصّہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اُس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اُس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔

میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اُس روشنی سے حصّہ لے گا مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزّاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے! اور اُس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔

مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا ایک بندۂ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اُس میں ہوں۔ مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نفس مزکّی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے۔ تب وہ اُس کے نفس کی دوزخ کے اندر اپنا پیر رکھ دیتا ہے تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اُس میں کبھی آگ نہیں تھی۔ تب وہ ترقی پر ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی روح اُس میں سکونت کرتی ہے اور ایک تجلّی خاص کے ساتھ ربّ العالمین کا استویٰ اس کے دل پر ہوتا ہے تب پورانی انسانیت اسکی جل کر ایک نئی اور پاک انسانیت اُس کو عطا کی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ بھی ایک نیا خدا ہو کر نئے اور خاص طور پر اُس سے تعلق پکڑتا ہے اور بہشتی زندگی کا تمام پاک سامان اسی عالم میں اُس کو مل جاتا ہے۔''

(فتح اسلام صفحہ ۳۴ تا ۳۵)

فرمودات سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا. وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾. (المائدہ آیت:۹۴)

اس آیت کا ترجمہ ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور مزید ایمان لائیں پھر اور بھی تقویٰ اختیار کریں اور احسان کریں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

بنیادی اخلاق جن کا ہر احمدی کو خیال رکھنا چاہئے...... اس سلسلے میں آج احسان کا مضمون میں نے لیا ہے۔ گزشتہ خطبہ میں مَیں نے عدل کے بارے میں بتایا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مومن ایک منزل پر آ کر رک نہیں جاتا بلکہ آگے بڑھتا ہے تو ہماری انتہاء صرف عدل قائم کرنا ہی نہیں بلکہ اس سے آگے قدم بڑھانا ہے۔ ایک دنیادار کہے گا کہ جب عدل وانصاف کے اعلیٰ معیار قائم ہو گئے تو پھر کیا رہ گیا ہے۔ یہ تو ایک معراج ہے جو انسان کو حاصل کرنا چاہئے۔ اور جب یہ قائم ہو جائے تو دنیا کی نظر میں اس سے زیادہ کوئی نیکیوں پر قائم ہو ہی نہیں سکتا...... بہر حال ایک جگہ پر کھڑے ہو جانا دنیا کی نظر میں تو یہی اعلیٰ معیار ہے۔ لیکن کامل ایمان والوں کی نظر میں یہ اعلیٰ معیار نہیں بلکہ اس سے آگے بھی اللہ تعالیٰ کی حسین تعلیم کی روشنیاں ہیں۔ اور عدل سے اگلا قدم احسان کا قدم ہے۔ لیکن یاد رکھو یہ قدم تم اس وقت اٹھانے کے قابل ہو گے جب تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا ہوگی، جب تم میں بنی نوع انسان سے انتہاء کی محبت پیدا ہو گی۔ اور یہ باتیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل یقیناً ان پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔ ہر موقع پر دوست اور محبت کرنے والے کا حق ادا کرنے کے لئے وہ اس کے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے احسان کرنا بھی ایک بہت بڑا حکم اور خُلق ہے۔

اب اس آیت میں جو مَیں نے تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی ایک بہت بڑی نشانی بتائی ہے کہ وہ احسان کرنے والا ہو، اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ لیکن فرمایا کہ یہ احسان کرنے کا خلق یونہی پیدا نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے خالصتاً اللہ تعالیٰ کا ہونے کی ضرورت ہے۔ یعنی تقویٰ کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل طے کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت میں ان منازل کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تقویٰ کی تین منازل کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ جب تم اس حد تک تقویٰ اختیار کر لو تو تم پھر احسان کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

یاد رکھیں ہر مومن کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو، اللہ تعالیٰ اس کا دوست اور ولی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے اس کو نکالے۔ تو جب تم اپنے تقویٰ کے معیار کو اس حد تک لے جاؤ گے کہ احسان کرنے والے بن سکو، پھر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے اور جو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے اس کو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

پھر قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے احسان کی مختلف شکلیں بیان فرمائی ہیں۔ کہیں فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور یہ بھی احسان کرنا ہے۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ پر احسان نہیں بلکہ یہ تمہارا اپنے پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس وجہ سے بہت سی بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے کہ اپنے قریبیوں کے ساتھ جس طرح بعض دفعہ تم بغیر کسی ذاتی فائدہ کے، حسن سلوک کرتے ہو، جس طرح تم اپنے بیوی بچوں، بہن بھائیوں یا قریبی دوستوں کی مدد کرتے ہو اور بے نفس ہو کر کرتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق سے بھی حسن سلوک کرو، ان سے بھی احسان کا سلوک کرو، ان کے کام آؤ، جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو ان کے لئے بھی پسند کرو، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نعمت سے نوازا ہے کہ تمہیں اس زمانے کے امام اور مسیح اور مہدی علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اپنے ہم قوموں کو بھی یہ روشنی وسیع پیمانے پر دکھانے کی کوشش کرو یہ بھی تمہارا ان پر احسان ہوگا۔ ہر پاک دل کو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لے آؤ۔ تو یہ بھی تمہارا قوم پر ایک بہت بڑا احسان ہوگا اور تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی بن رہے ہو گے لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ اپنے میں شامل کر کے پھر یہ تعلق چھوڑ نہیں دینا بلکہ ان سے پختہ رابطہ اور تعلق بھی رکھنا ہے۔ تو اس سوچ کے ساتھ ہر احمدی کو احسان کے اعلیٰ ترین خُلق کو دنیا میں رائج کرنا چاہئے۔

(ارشاد فرمودہ ۱۹؍مارچ ۲۰۰۴ء بمقام 'بستان احمد' اکرا، غانا (مغربی افریقہ)

احمدیت کا بطلِ عظیم

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ

﴿مرتبہ:ڈاکٹر شمیم احمد﴾

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ احمدیت کے ایک بطلِ عظیم اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلاموں میں ایک منفرد شان کے حامل وجود تھے۔ ایک طرف ان کا تعلق ہندوستان کے مشہور صوفی منش بزرگ حضرت خواجہ میر درد کی نسل سے تھا اور دوسری طرف امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ صہری رشتہ کے تعلق سے بھی معزز تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے براہ راست تربیت پانے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔ آپؓ سادات کے معروف خاندان کے ایک نمایاں فرد تھے اور آپ کے خاندان کے ایک بزرگ خواجہ میر محمد ناصر صاحبؒ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے رویا میں بشارت دی تھی کہ ''نانا جان (ﷺ) نے مجھے خاص اس لئے تیرے پاس بھیجا تھا کہ میں تجھے معرفت اور ولایت سے مالا مال کروں۔ یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادۂ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ اس کی ابتداء تجھ پر ہوئی ہے اور انجام اُس کا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوگا۔'' (رسالۂ خانہ درد صفحہ 26 مصنفہ خواجہ سیّد ناصر نذیر فراق دہلوی)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ، حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے دوسرے صاحبزادہ اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کی ولادت 8 ستمبر 1890ء کو لدھیانہ میں ہوئی اور اس کے بعد 1894ء سے اپنے عظیم والدین کے ساتھ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دار میں قیام کا شرف حاصل رہا۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اپنے خودنوشت حالات میں فرماتے ہیں ''بچپن سے 18 سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک اسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور، بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔........ حضورؑ نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کو خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسودہ مختلف جگہوں سے فرماتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جاتا اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت و وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی تلاش کر کے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہوا۔ آپؑ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔ آپؑ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں اور بہت سے نشانوں کا مورد بھی ہوں۔ جن دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے دونوں وقت میں بھی شریک ہوتا تھا.......... بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؑ نے مغرب و عشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں، میں آپؑ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔'' (رسالہ جامعہ احمدیہ 1930ء) آپ کی سیرت میں حضرت مسیح موعودؑ کی اُس تربیت کا رنگ نمایاں طور نظر آتا ہے۔ جس سے آپ مشرف ہوئے۔

حضرت مولانا ابو لعطاء صاحب نے اپنے رسالہ ''الفرقان'' میں ستمبر، اکتوبر 1961ء کے شمارہ میں محبت و عقیدت کے بہت سے نادر اور خوشنما پھول جمع کئے تھے، اس مضمون میں انہیں ایک نئی ترتیب کے ساتھ احباب کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں بے شمار ایسے خوش نصیب احباب کے تاثرات شامل ہیں جنہیں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو قریب سے دیکھنے اور آپؓ کی بابرکت صحبت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ کی سیرت کے جس پہلو کو بھی لیا جائے وہی دلفریب دکھائی دیتا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسی غرض سے اس مضمون کو ترتیب دیا گیا ہے۔ کاش ہم سب اسی رنگ میں رنگین ہوجائیں۔

عشق رسول ﷺ اور درسِ حدیث

حضرت میر صاحبؓ کی زندگی میں جو پہلو سب سے نمایاں، دلکش اور قابلِ رشک نظر آتا ہے وہ آپؓ کا اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے والہانہ محبت اور حدیث شریف سے بے مثال شغف ہے۔ یہ اس بے مثال اور لازوال عشق کا پرتو ہی تھا جو حضرت میر صاحب کو اپنے مربی حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت و تربیت سے حاصل ہوا۔ وہ لوگ جنہیں آپؓ کے درسوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ ان کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں۔

محمد حفیظ بقاپوری صاحب ایڈیٹر بدر بیان فرماتے ہیں'' آپؓ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت عشق کا رنگ رکھتی تھی۔ حدیث کے متبحّر عالم تھے۔ حدیث شریف کا درس دینا آپ کا محبوب مشغلہ اور مطالعہ حدیث آپ کی روحانی غذا اور راحتِ جان تھی۔ درس دیتے ہوئے بات بات پر رقت طاری ہوجاتی اور محبت و عشق میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں رسول مقبول ﷺ کا ذکر فرماتے اور ساتھ ہی آبدیدہ بھی ہوجاتے، آواز بھرّا جاتی اور بڑے درد اور سوز سے بات کو مکمل فرماتے۔ درس دینے کا انداز ایسا پاکیزہ، دلکش اور مسحور کن ہوتا کہ ہر شخص بڑی توجہ اور غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ سنتا۔ جوں جوں سنتا اُس کی بھوک تیز ہوتی چلی جاتی۔ آواز میں ایسی تاثیر، یوں معلوم ہوتا کہ گویا ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہا ہے اور سیدھا دلوں تک پہنچ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا عشق و محبت آپ کی زبان اور آپ کے نورانی چہرے سے عیاں ہوتی!!! اللھم اغفر لہٗ و ارفع درجاۃٗ فی اعلیٰ علّییّن و ارزقہٗ شفاعۃ حبیبہ. اکثر فرمایا کرتے: جب کبھی میں غمگین ہوتا ہوں تو گھر چلا جاتا ہوں۔ علیحدگی میں بیٹھ کر بخاری شریف کھول لیتا ہوں۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کے مقدس حالات پڑھتا ہوں، حضور کے ارشادات کا مطالعہ کرتا ہوں، بس میرا سارا غم، سارا اندوہ دور ہوجاتا ہے۔'' عشاق رسول اللہ پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں۔

شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی بیان فرماتے ہیں'' حضرت میر صاحبؓ

رسول اللہ ﷺ کے عاشق صادق تھے اور حضورؐ کا ذکر آتے ہی اُن کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔حدیث کا درس وہ جس طرح دیتے تھے قلم کی مجال نہیں کہ اس کی کیفیت بیان کر سکے۔اس درس کا حقیقی مزہ وہی خوش قسمت لوگ جان سکتے ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے اسے سنا ہے۔درس کے دوران نہ صرف آپ خود آبدیدہ ہو جاتے تھے بلکہ حاضرین کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے تھے''۔

مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ نے تحریر فرمایا:''آپ ماشاءاللہ ایک جید عالم تھے۔حدیث آپ کا خاص مضمون تھا۔حدیث کا درس مسجد اقصیٰ میں دیتے رہے۔کوئی آنکھ نہ ہوتی جو آنسو نہ بہاتی۔نبی کریم ﷺ کی مبارک مجلس کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ گویا سننے والا اس میں شریک ہو جاتا۔آپ کی طبیعت میں رقت تھی،آخری عمر میں یہ رقت بہت بڑھ گئی اور آپ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے وقت اپنے اوپر ضبط نہ رکھ سکتے اور آواز فوراً بدل جاتی اور بعض دفعہ آنسو بھی رواں ہو جاتے۔مجھے بعض دفعہ آپ کے درسوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی،میں انہیں کبھی بھول نہیں سکتا''۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہٗ بیان فرماتے ہیں''درس و تدریس کا بھی حضرت میر صاحب کو بے حد شوق بلکہ عشق تھا۔ان کا حدیث کا درس اب تک سننے والوں کے کانوں میں گونج پیدا کر کے ان کے دلوں کو گرما رہا ہے اور ان کی نگاہیں اس ذوق و شوق اور محبت سے درس دینے والے کو بے تابی سے ڈھونڈتی ہیں مگر نہیں پاتیں۔''

تلاوت قرآن کریم اور تربیت کا انداز

مکرم محمد حفیظ بقاپوری صاحب ایڈیٹر بدر بیان فرماتے ہیں کہ''تقسیم ملک سے قبل احباب قادیان کا یہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد اپنے گھروں میں بلند آواز سے قرآن کریم کی باقاعدہ بالالتزام تلاوت کرتے۔صبح کے سہانے وقت میں ہر گھر سے کلام الٰہی کی تلاوت کی سریلی آوازیں بڑی ہی پُر لطف اور روح پرور معلوم ہوتیں۔نہ صرف گھروں میں بلکہ احمدیہ بازار کے دوکاندار اپنی دکانوں پر ہی بیٹھ کر کلام پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔حضرت میر صاحبؓ کو یہ امر بڑا ہی مرغوب تھا۔چنانچہ مکرمی مرزا عبدالطیف صاحب درویش ابن مرزا مہتاب بیگ صاحب،جو تقسیم ملک سے قبل اپنے والد صاحب کی دوکان موسومہ احمدیہ درزی خانہ میں کام کرتے تھے اور رات کے وقت بھی بسا اوقات اسی دوکان پر سو جایا کرتے اور فجر کی نماز ادا کر کے بالعموم دوکان پر تلاوت قرآن کریم کیا کرتے ،بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ حضرت میر صاحب مرحوم سارے بازار میں چل رہے ہوتے اور جو دوکاندار تلاوت قرآن کریم نہ کر رہا ہوتا اسے بڑی محبت سے فرماتے اُٹھو تلاوت کرو!تلاوت کرو!چنانچہ دوست اس کی فوری تعمیل میں لگ جاتے''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عشق

شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ 1944ء کے ایک مقدمہ میں جماعت کی طرف سے وکیل تھے جس میں پولیس نے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو ایک فریق بنالیا تھا اور آپ کو عدالت میں پیش ہونا پڑتا تھا۔اس مقدمہ میں شیخ محمد احمد صاحب آپ کے ہمراہ جایا کرتے تھے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ''مجسٹریٹ میر صاحب سے باادب پیش آتا تھا لیکن خاکسار نے دیکھا کہ میر صاحب جب عدالت کے کمرے میں داخل ہوتے تو تین چار منٹ تک ملزمان کے کٹہرے میں اکیلے اور غمزدہ سے ہو کر کھڑے رہتے۔ہم سب بھی تعظیماً کھڑے رہتے حتیٰ کہ میر صاحب کٹہرے سے باہر نکلتے اور پھر ہم سب کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔یہ ماجرا میں نے کئی بار دیکھا لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ میر صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں۔آخر ایک دن میں نے میر صاحب سے اس کا سبب دریافت کیا۔آپ چشم پُر آب ہو گئے۔فرمانے لگے کہ آتما رام مجسٹریٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالت میں کھڑا رہنے پر مجبور کیا تھا اس لئے جب کبھی مجھے عدالت جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یاد میں چند منٹ مَیں بھی اُسی طرح کھڑا رہتا ہوں۔

میر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عزیز تھے اور آپؓ نے حضورؑ کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اور نہایت قریب سے دیکھا تھا۔اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت میر صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کس قدر عشق و محبت اور والہیت تھی''۔

خلافت کے ساتھ وابستگی

حضرت میر محمد اسحاقؓ کو خلافت کے ساتھ ایک گہری وابستگی تھی اور آپ چاہتے تھے کہ جماعت کے ہر فرد کا یہی حال ہو۔بعض فتنوں کے ذکر میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا''بیس سالہ تجربہ نے ہمیں بتا دیا کہ جو شخص بھی نظام سلسلہ سے الگ ہوا وہ اپنے مقام پر نہیں رہا بلکہ تنزل کی طرف جاتا رہا اور مطابق صحیح حدیث من شُذَّ شُذَّ فی النّار یعنی جو شخص بھی جماعت سے الگ ہو گا وہ اس مقام پر نہیں رہے گا بلکہ آگ میں جائے گا''(الفضل 4 جولائی 1937ء)اسی طرح فرمایا کہ:''تجربہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جس نے بھی خلافت سے وابستگی کو ترک کیا وہ تنزل کے گڑھے میں گر گیا۔ان لوگوں (مخرجین) کی بات تب صحیح ہوتی جب وہ خلافت سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی صحیح عقائد پر قائم رہتے۔مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ جب انہوں نے خلیفہ وقت کی اطاعت سے روگردانی کی تو آہستہ آہستہ سابقہ عقائد بھی چھوڑتے گئے۔''(الفضل 4 جولائی 1937ء)

دارالشیوخ

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ یتامیٰ و مساکین کا بڑا درد اور خیال رکھتے تھے بلکہ یتامیٰ و مساکین کے لئے ماں باپ سے بڑھ کر ماں باپ کا درجہ رکھتے تھے۔یتامیٰ و مساکین کے لئے محبت اور ان کی ضروریات کا خیال اور اس کی لگن انہیں اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی سچے دل سے پیروی کی وجہ سے نصیب ہوئی تھی۔اکثر اپنے درسوں میں رسول کریم ﷺ کے فرمان انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ کہ میں اور یتیم کا کفیل جنت میں ملی ہوئی دو انگلیوں (شہادت والی اور دوسری) کی طرح ہوں گے،کا ذکر کیا کرتے اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتے رہتے تھے بلکہ اس کو علیحدہ چھپوا کر آویزاں کراتے تھے۔حضرت میر صاحب نے ایک دفعہ دارالشیوخ کے متعلق فرمایا کہ جماعت کے یہ یتیم اور مسکین بچے ہیں اور یہ میرا باغ

ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر لگایا ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی ایک خاص یادگار دارالشیوخ تھی جس میں غریب اور معذور بچے بلکہ بعض بوڑھے بھی کافی تعداد میں رہتے تھے اور حضرت میر صاحب اپنی پرائیویٹ کوشش کے ذریعہ ان کے اخراجات وغیرہ مہیا کر کے انہیں تعلیم دلاتے تھے اور اپنے عزیزوں کی طرح ان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اور نابینا بچوں کو قرآنِ مجید کے حفظ کرانے کا انتظام بھی کرتے تھے''۔

محمد حفیظ بقاپوری صاحب ایڈیٹر بدر نے تحریر فرمایا ''محتاجوں، بے سہارا افراد، یتامیٰ و مساکین کی خبرگیری اور ان کی پرورش سے آپؓ کو خاص لگاؤ اور دلچسپی تھی۔ دارالشیوخ کے نام سے اپنی ذاتی ذمہ داری پر آپ نے ایک مستقل شعبہ کھول رکھا تھا جس میں بیسیوں محتاج، بے کس اور بے سہارا افراد کے علاوہ ایک بڑی تعداد یتامیٰ و مساکین کی پرورش پاتی تھی۔ نیم بورڈنگ کی صورت میں زیر تربیت نو عمر بچوں کی نگرانی کے لئے ایک باقاعدہ تنخواہ دار ٹیوٹر رکھا ہوا تھا۔ سب کے گذارے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے وافر سامان مہیا کر دیتا جو حضرت میر صاحب کی توجہ الی اللہ و شفقت علیٰ خلق اللہ کا نتیجہ تھا''۔

عالمہ بی بی صاحبہ جن کی پرورش خود حضرت میر صاحب نے کی تھی اپنے مضمون میں تحریر فرماتی ہیں کہ ''ایک دفعہ عید سے ایک دن پہلے مجھے بلوایا اور کپڑوں کے تھان میرے سامنے رکھ دیئے اور کہنے لگے کہ عالمہ! دارالشیوخ کے بچوں کی عید بنا دو۔ میں نے کہا کہ اب تو وقت بہت تھوڑا ہے لیکن فرمایا کہ جس طرح بھی ہو بچوں کی خوشی کرا دو۔ چنانچہ میں تھان گھر لے گئی، تین چار مددگار بٹھالیں اور صبح کی اذان تک اٹھارہ جوڑے سی دیئے۔ صبح بچے پہن کر چلے گئے۔ میاں نے مجھے سلوائی کے علاوہ دس روپے انعام بھی دیا اور فرمانے لگے کہ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے بچوں کی عید کرا دی''۔

اسی طرح مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح لکھتے ہیں: ''آپؓ کو غریب پروری کا اس قدر خیال تھا کہ گویا یہ چیز آپ کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ غرباء کی اک فہرست آپ اپنے ہاتھ سے تیار کر کے اپنے پاس رکھتے تھے۔ دارالشیوخ کے کام میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے کہ جیسے یہ غرباء آپ کے اپنے بچے ہوں۔ ایک دفعہ دھرمکوٹ رندھاوا سے دو بچے (جمال دین اور کمال دین) آپ کے پاس لائے گئے۔ ان کا والد فوت ہو چکا تھا۔ آپ نے دونوں بچے مجھے دے کر فرمایا کہ امی جان کے پاس لے جاؤ۔ ایک بچے کو میں نے اٹھایا اور ایک کو دوسرے آدمی سے اٹھوا کر آپ کے مکان پر لے گئے۔ حضرت امّی جان نے دونوں بچوں کو غسل دیا اور پھر صاف کپڑے پہنائے، ان کے سروں پر رومی ٹوپیاں پہنائیں اور مردانے سے میرے سپرد کر کے فرمایا انہیں میر صاحب کو جا کر دکھاؤ۔ یہ پنجابی کشمیری بچے جو چند منٹ پہلے بڑی خستہ حالی میں تھے اب پہچانے نہیں جاتے تھے''۔

حضرت میر صاحب نہ صرف بچوں کی پرورش کا خیال رکھتے تھے بلکہ ان کی تربیت کی طرف بھی اپنے بچوں کی طرح توجہ فرماتے۔ مولوی برکات احمد صاحب راجیکی نے اپنے ایک مضمون میں چند واقعات تحریر فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کس طرح غرباء و مساکین کی دلداری کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی فرماتے تھے۔ ''ایک دفعہ کسی مخیر دوست نے رمضان کے مہینہ میں دارالشیوخ کے مساکین کے لئے افطاری بھجوائی جس میں زردہ بھی تھا۔ ایک لڑکے نے زردہ کھاتے ہوئے کہا کہ فلاں آدمی نے آج ہمیں زردہ کھلایا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابھی تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کھلاتا اور پلاتا ہے۔ کوئی انسان کسی کو کیا کھلا سکتا ہے۔ حضرت میر صاحب کا یہ معمول تھا کہ دارالشیوخ کے طلباء اور دیگر مساکین کو بہت دفعہ اپنے سامنے ناشتہ اور کھانا کھلاتے اور حفاظ کلاس کے نابینا طلباء کو اپنے گھر پر لے جا کر اور گھر ے پر بٹھا کر ان کو صابن وغیرہ دیتے اور ان کے کپڑے صاف کرواتے، غسل کرواتے اور ان کے اجلے کپڑوں اور بدن کی صفائی پر بہت خوش ہوتے''۔

ایک دفعہ دو نابینا طالب علم بازار میں آپ کے قریب سے گذرے اور روٹی اور سالن برتن میں لے جا رہے تھے۔ حضرت میر صاحب رستہ میں کسی دوست سے باتیں کر رہے تھے اور آپ کا منہ دوسری طرف تھا کہ ایک نابینا مع سالن کے برتن کے آپ سے ٹکرا گیا۔ سالن آپ کے کپڑوں پر جو آپ جمعہ کی نماز کے لئے بدل کر آئے تھے گر پڑا اور وہ خراب ہو گئے۔ جب آپ کے صاحبزادہ میر محمود احمد صاحب، جو اس وقت کمسن تھے، نے توجہ دلائی کہ ابا جان! آپ کے کپڑے سالن گرا کر اس حافظ نے خراب کر دیئے ہیں تو آپ نے اُس نابینا طالب علم پر بالکل اظہار خفگی نہ فرمایا، اتنا کہا کہ جب راستہ چلو تو اونچی آواز سے السلام علیکم کہتے جایا کرو تا کہ دوسروں کو آپ کے گذرنے کا علم ہوتا رہے۔

اسی طرح مساکین کی دلداری کا ایک واقعہ مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بیان فرماتے ہیں کہ ''موضع اوجلے کے ایک کمزور دماغ شخص رحیم بخش تھے وہ اپنے دماغی نقص کی وجہ سے یہ سمجھتے کہ ان کو الہام ہوتا ہے اور بعض دفعہ بڑے بڑے دعاوی بھی کرتے تھے۔ حضرت میر صاحب ان کے افلاس اور غربت کے پیش نظر ہمیشہ ان سے حسن سلوک اور شفقت فرماتے۔ کئی دفعہ وہ یہ کہتے کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے فلاں چیز کھلائی ہے اور آپؓ اکثر ان کی خواہش کو پورا فرماتے۔ ایک دفعہ رحیم بخش صاحب صبح سویرے حضرت میر صاحبؓ کی خدمت میں میرے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے دودھ کی کھیر کھلائی ہے۔ حضرت میر صاحب نے فرمایا کہ ہم تمہارا خواب ابھی پورا کرتے ہیں اور کھیر تیار کروا کر ان کو کھلائی''۔

مولوی برکات احمد صاحب راجیکی دارالشیوخ کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ''حضرت میر صاحبؓ کی زندگی کے آخری ایام کی بات ہے کہ آپ کی حالت بہت کمزور تھی۔ دارالشیوخ کا انچارج آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ دارالشیوخ کے بچوں، یتامیٰ اور مساکین نے صبح سے ناشتہ نہیں کیا کیونکہ کھانے کا سامان سٹاک میں ختم ہو چکا ہے۔ لنگر والوں سے کئی دن پہلے سامان خورد و نوش ادھار لیا تھا جو واپس نہ کیا جا سکا اس لئے اب انہوں نے بھی مزید سامان عاریتاً دینے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت میر صاحبؓ باوجود شدید نقاہت اور کمزوری کے دو آدمیوں کے سہارا سے تانگہ پر سوار ہو کر قادیان کے بعض محلّہ جات کے دورہ پر روانہ ہوئے اور بعض مخیر اور مخلص احباب کو یتامیٰ اور مساکین کی خدمت کی اہمیت بتا کر اور ان کے ذریعہ سامان خورد و نوش اور لباس کا انتظام کر کے واپس لوٹے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی سعی کو اس قدر مشکور فرمایا کہ چند گھنٹوں میں ہی اس قدر سامان جمع ہو گیا کہ سٹور کے کمرے بھر گئے اور تل دھرنے کی جگہ نہ رہی اور حضرت میر صاحب کو اس سے بڑی خوشی اور تسکین ہوئی''۔

مہمان نوازی اور ضیافت

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی سیرت میں مہمان نوازی اور دوسروں کی دلداری کے اس قدر واقعات ملتے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے ان کی زندگی کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہر کس و ناکس کو فیضیاب کرتے چلے جائیں۔ جس طرح بارانِ رحمت سب کو یکساں فیض پہنچاتی ہے اسی طرح ان کی مہمان نوازی کا حال تھا۔ بہت سے واقعات میں سے چند پیش ہیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تحریر فرمایا: ''ناظر ضیافت کی حیثیت میں وہ یوں نظر آتے تھے کہ گویا ایک گھر کا بزرگ بیٹھا ہوا اپنے بچوں اور عزیزوں اور دوستوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو رہا اور ان کو لطف اندوز کر رہا ہے۔ وہ اکثر جب کسی باہر سے آنے والے دوست کو رستے میں دیکھتے تھے تو اسے پکڑ کر مہمانخانہ میں لے آتے تھے کہ چلو پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر میں کھانا کھاؤ اور آرام کرو اور پھر کسی اور جگہ جانا۔ مہمانوں کی خدمت اور ان کی دلداری اور ان کا اکرام حضرت میر صاحب مرحوم کی روح کی غذا تھی۔ اگر کبھی صدر انجمن کا بجٹ ختم ہو جاتا تو وہ پھر بھی اپنی مہمانی کے فرائض اسی محبت اور اسی جوش و خروش سے جاری رکھتے اور پرائیویٹ چندہ کے ذریعہ مالی کمی کو پورا کر لیتے اور ان کے چندوں کی اپیل ہمیشہ کامیاب رہتی تھی''۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق امیر قادیان فرماتے ہیں ''حضرت میر صاحبؓ ایک لمبا عرصہ ناظر ضیافت رہے۔ سالانہ جلسوں کے موقعوں پر تمام مہمانانِ کرام کے قیام و طعام کا کام حضرت میر صاحبؓ ہی کی عمومی نگرانی میں ہوتا تھا اور ہر سال خاکسار کو آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ میں نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا کہ ایام جلسہ میں حضرت میر صاحب کسی وقت بھی اُس وقت تک خود کھانا نہ کھاتے جب تک رپورٹ نہ آجاتی اور آپ کو اس بات کی اچھی طرح تسلّی نہ ہو جاتی کہ تمام مہمانوں نے کھانا کھا لیا ہے۔ چنانچہ خاکسار اور مکرم ملک محمد طفیل خان صاحب مرحوم مدرس مدرسہ احمدیہ آپ کی زندگی میں اور اس کے بعد جب تک ہمارے سپرد ایسا کام رہا حضرت میر صاحبؓ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے رہے۔ حضرت میر صاحب مرحومؓ کا یہ طریق درحقیقت سنّتِ نبویؐ کی اقتداء تھی جیسا کہ روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ایسے مواقع پر دوسرے دوستوں کے کھانا کھا لینے کے بعد خود کھانا تناول فرماتے۔ صلّی اللہ علیہ و الہٖ وسلم.

ایک دفعہ لنگر خانہ کے خرچ کو کم کرنے ے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کے متعلق حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ نے بتایا ''کمیٹی نے جانچ پڑتال کی اور بعض لوگوں کے متعلق کہا کہ یہ نہ غرباء میں داخل ہیں اور نہ مہمان ہیں، یہ لنگر خانہ سے کیوں کھانا کھاتے ہیں؟ میر صاحبؓ نے فرمایا آپ لوگ جو فیصلہ کریں گے اُس کی میں تعمیل کروں گا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر سے کسی کا کھانا بند کر دوں''۔

مولوی برکت علی صاحب نے حضرت میر صاحبؓ کی مہمان نوازی اور کام کرنے کے انداز کے متعلق تحریر فرمایا کہ ''میر محمد اسحاق صاحبؓ کی افسری کا زمانہ ہماری آنکھوں کے آگے پھر گیا کہ جب مہمان خانہ میں جاتے تھے تو میزیں بے داغ اور دسترخوان صاف ستھرے پاتے تھے۔ میر صاحب فرداً فرداً مہمانوں کے پاس پہنچتے تھے اور ایک ایک سے پوچھتے تھے کسی چیز کی ضرورت؟ کارکنوں کو ہدایات ملتی تھیں فلاں جگہ سالن پہنچاؤ، فلاں صاحب کو روٹی کی ضرورت ہے۔ پانی گلاس صاف کر کے لاؤ۔ غرض وہ ہمارا مخدوم خادموں کی طرح خاطر تواضع کرتا تھا۔ اُن کے چہرے کی بشاشت، ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ، زبان کی شیرینی، گفتگو کی نرمائش، اخلاقی وسعت اور پاکیزہ مزاج، یہ چند وہ صفات تھیں جن کی وجہ سے میر صاحبؓ کی ذات میں ایک محبت آمیز کشش پیدا ہو گئی تھی اور دوست کچے دھاگے سے بندھے ہوئے آپ کی طرف بے ساختہ چلے آتے تھے۔

مکرم شیخ عبد القادر صاحب نے آپ کی سیرت کے متعلق ایک خوبصورت لطیفہ بیان فرمایا: ''حافظ محمد رمضان صاحب مولوی فاضل نے بیان کیا کہ حافظ معین الدین صاحب ایک مرتبہ لنگر خانہ میں کھانا لینے گئے۔ وہاں سے انہیں روٹی کے ساتھ پتلی دال کا ایک پیالہ ملا۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ناظر ضیافت تھے۔ حافظ معین الدین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت! آپ چونکہ ناظر ضیافت ہونے کے علاوہ عالمِ دین بھی ہیں اس لئے ایک مسئلہ حل فرما دیجئے اور وہ یہ ہے کہ ایسی پتلی دال کے ساتھ جس کا رنگ اور مزہ پانی کی مانند ہو وضو جائز ہے یا نہیں؟ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا حافظ صاحب جب تک میں اس دال کو دیکھ نہ لوں فتویٰ کیسے دے سکتا ہوں۔ اس پر حافظ صاحب نے دال کا پیالہ حضرت میر صاحبؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت میر صاحبؓ نے وہ پیالہ دال کی دیگ میں الٹا دیا اور اس کی بجائے گوشت کا پیالہ بھر کر دے دیا اور فرمایا حافظ صاحب ایہ آپ کے مسئلہ کا حل ہے۔ حافظ صاحب گوشت کا پیالہ لے کر خوش خوش چلے گئے۔

مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ نے حضرت میر صاحب کے اخلاق فاضلہ کے متعلق فرمایا ''آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا فراخ دل بخشا تھا۔ مہمان کے ساتھ نہایت شفقت اور دلداری کا سلوک فرماتے اور اس کی ضروریات کا پورا خیال رکھتے.....آپ کی توجہ کا میرے دل پر ہمیشہ اثر ہوتا۔ میں ہمیشہ جانے والا مہمان تھا اور ایسا مہمان بارِ خاطر بھی ہو جاتا ہے یا کم از کم ہر دفعہ زیادہ توجہ کا مستحق نہیں رہتا لیکن اُس بزرگ انسان میں مَیں نے کبھی تنگی محسوس نہ کی۔ ہمیشہ وہی مسکراہٹ اور وہی توجہ اور وہی شفقت۔ جب بھی میں کسی ضرورت کے متعلق اطلاع بھیجتا فوراً اس کی طرف توجہ کرتے اور پورا کرنے کا انتظام فرماتے۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں افسر جلسہ ہونے کی وجہ سے آپ کو انتہائی مصروفیت ہوتی پھر بھی میرے جیسے مستقل آنے والے مہمانوں کا پورا خیال رکھتے اور کام کاج کے لئے الگ نوکر بھجواتے اور مناسبِ حال کھانے کا انتظام فرماتے........میں نے مہمانوں کی عزت کرنے والے اور ان کے جذبات کا اس حد تک خیال رکھنے والے بہت ہی کم انسان دیکھے ہیں''۔

بحیثیت ہیڈ ماسٹر اور تعلیمی خدمات

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو جماعت کی علمی ترقی کا بھی بے حد خیال رہتا تھا اور اس میدان میں بھی آپ کی خدمات سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں ''ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ ہونے کی حیثیت میں بھی حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا کام بڑا نمایاں اور شاندار تھا۔ وہ مدرسہ احمدیہ کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے، ان سے محبت

کرتے، ان کی دلداری کرتے، ان کی خدمت کرتے اور غریب بچوں کی مالی امداد کا انتظام بھی کرتے۔ اور اگر کہیں سفر پر جاتے تو بعض بچوں کو تربیت کی خاطر اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور اپنے عزیزوں کی طرح ان کا خیال رکھتے۔ ان کے زمانہ کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ چونکہ حضرت میر صاحب خود تقریر کے فن میں کمال رکھتے تھے اس لئے ان کی تربیت میں کئی بچے بہت عمدہ مقرر اور عمدہ مناظر بن گئے اور نوجوان طلباء کی ہمتیں اتنی بلند ہوگئیں کہ کہنہ مشق مولویوں اور پادریوں اور پنڈتوں کے ساتھ ٹکر لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے''۔

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب تحریر فرماتے ہیں ''حضرت میر صاحبؓ اپنی فطانت و ذہانت اور قادر الکلامی میں تفوق کے باعث سب طلبہ کے لئے مرجع ہوتے تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی۔ شاگردوں میں سے ذہین اور اور ترقی کرنے والے طالب علم پر آپ کی نظرِ شفقت بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ آپ وقت کی پابندی میں بھی نمایاں طور پر ممتاز تھے اور پڑھاتے وقت پورے انہماک سے پڑھاتے تھے۔ ایک عجیب وصف اور نادر خوبی آپ میں یہ تھی کہ آپ کو لَا اَدْرِیْ کہنے میں کبھی تامل نہ ہوتا تھا۔ اعلیٰ کلاسوں کے اسباق کے اوقات میں ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی مغلق عبارت آپ کو مبہم نظر آئی، آپ نے اس کے لئے طالب علم کو کتاب دے کر کسی دوسرے استاد کے پاس حل دریافت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور وہ آپ کو مستحضر نہ تھا۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ مجھے اس وقت اس کا جواب نہیں آتا کل یا فلاں وقت جواب دوں گا۔ یہ خوبی اس زمانہ میں کبریتِ احمر کا حکم رکھتی ہے مگر حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ میں یہ خوبی بہت نمایاں تھی اور وہ وَمَآاَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِين کے مصداق تھے۔ طلبِ علم میں انہیں کبھی عار نہ تھی۔ آخری عمر تک علمی ترقی میں طالبعلمانہ شغف سے مشغول رہے''۔

تعلیم و تربیت کے متعلق مولوی محمد حفیظ بقاپوری صاحب ایڈیٹر بدر فرماتے ہیں: ''آپؓ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کے منتظم بھی تھے۔ آپ کو ڈسپلن کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اس جہت سے سکول میں طلبہ کی خاص نگرانی فرماتے۔ لڑکوں کی تعلیم اور ورزش کے اوقات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کی تلقین فرماتے۔ یہ عاجز بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں مقیم چھوٹی عمر کے لڑکوں کا ٹیوٹر تھا جن کا نسبتاً زیادہ خیال رکھتے۔ بسا اوقات اس عاجز کو اپنے پاس بلا کر بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں خاص ہدایات سے نوازتے اور بہتر طور پر تربیت کے متعدد طریقوں کی رہنمائی فرماتے۔ اس بات کی ہمیشہ تاکید فرماتے کہ بچے کسی وقت بھی فارغ نہ رہیں اور بورڈنگ میں ہر وقت ٹیوٹر کی براہِ راست نگرانی میں سب کام کریں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے رمضان شریف کے دن تھے، لڑکے شام کے کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، ابھی عشاء کی اذان نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑا فراغت کا وقت پا کر لڑکے کھیلنے کودنے لگے اور کچھ شور بھی ہوا۔ فوراً اس عاجز کو مہمانخانہ میں طلب فرمایا۔ میرے حاضر ہونے پر حکم دیا کہ کھانا کھا لینے کے بعد عشاء کی نماز تک جو فارغ وقت ہوتا ہے اس میں سب بچوں کو ایک کمرہ میں جمع کر کے اخبار الفضل کے آخر میں جو ''ہندوستان اور ممالکِ غیر کی خبریں'' روزانہ شائع ہوتی ہیں وہ بچوں سے پڑھائی جایا کریں۔ چنانچہ اس ہدایت پر دیر تک عمل ہوتا رہا''۔

''مدرسہ احمدیہ کے طلباء کی عام تعلیمی ترقی کے ساتھ آپؓ کو اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ اس درسگاہ کے تمام طالبعلم عمدگی سے تقریر کرنا بھی سیکھ جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو قوم سٹیج پر قابض ہو جاتی ہے دنیا میں غلبہ پاتی ہے۔ اُن دنوں ہٹلر اور چرچل کا شہرہ تھا، ان کی مثال دے کر فرماتے دیکھو ہٹلر کی ایک تقریر ساری جرمن قوم میں زندگی کی روح پھونک دیتی ہے اور چرچل کی ہر تقریر پر دنیا کان دھرتی ہے۔ پھر سورۃ الرحمٰن سے خلق الانسان علّمه البيان کا حوالہ دے کر فرماتے تمام حیوانوں میں سے انسان ہی ایسا حیوان ہے جو خود سیکھ کر دوسروں کو سکھا سکتا ہے۔ یہی قوتِ بیان اسے دیگر حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے''۔

حضرت میر صاحب مرحوم و مغفور چونکہ خود بھی عالم باعمل بزرگ اور اسلام کی زندہ عملی تصویر تھے اس لئے آپ کو اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ مدرسہ احمدیہ کے تمام طلبہ حقیقی معنوں میں عالم باعمل اور خدا تعالیٰ کی مخلوق کے سچے خدمت گزار بنیں۔ اس سلسلہ میں آپؓ نے صحن مدرسہ احمدیہ کی جنوبی اونچی دیوار پر نہایت جلی حروف میں اساتذہ و طلبہ مدرسہ احمدیہ کی زبان سے حسبِ ذیل عبارت لکھوادی تھی:

''اے ہمارے قادرِ مطلق سچّے پادشاہ تُو ہمیں عالم باعمل بنا۔ ہمیں دنیا کے سب فکروں سے فارغ البال کر کے اپنے بندوں کی خدمت کے لئے وقف فرما!

ہم ہیں تیرے عاجز بندے

اساتذہ و طلبہ مدرسہ احمدیہ''

گویا یہ تھا وہ نصب العین اور ماٹو جسے عملی رنگ میں سکول کے ہر طالبعلم کے دل و دماغ میں راسخ کرنا چاہتے تھے''۔

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ سلسلہ نے تحریر فرمایا: ''آپ کی ہمارے ساتھ بے مثال اور بے لوث محبت تھی۔ ہماری علمی اور خصوصاً علمِ کلام میں ترقی کے لئے آپ ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ روزانہ صبح بیس منٹ ہم سے تقریر کروایا کرتے تھے اور ہماری تقریروں کی غلطیاں بڑی حکمتِ عملی اور کبھی کبھی بے تکلفی سے دور فرمایا کرتے تھے۔ مضامین کی تیاری کے لئے کتابوں کے نام نوٹ کرواتے تھے اور ضروری مضامین پر ہمیں روزانہ دلائل املاء کرواتے تھے۔ عیسائی مذہب، بدھ مذہب، بہائی ازم، آریہ مت وغیرہ کے متعلق آپ نے ہمیں روزانہ دو سال تک دلائل لکھوائے۔ کمال آپ کا یہ تھا کہ آپ کے سامنے کوئی کتاب یا نوٹ بک یا کاغذ نہیں ہوا کرتے تھے۔ جو املاء کرواتے تھے حافظہ سے ہی کرواتے تھے اور فرماتے تھے کہ اصل علم وہی ہے جو سینہ میں محفوظ ہو نہ وہ جو کسی نوٹ بک میں لکھا ہوا ہو۔ ہماری تقریروں کو جلا دینے کے لئے آپ نے مہمانخانہ میں ہفتہ واری اجلاس ہر جمعرات کی شام کو رکھے ہوئے تھے جہاں ہم سے باری باری ہر ایک بات کو ایسی وضاحت سے بیان فرماتے تھے کہ حاضرین کے دلوں میں وہ بات نقش ہوتی تھی''۔

''جہاں آپ کی محبت و شفقت کا یہ عالم تھا وہاں آپ کے شاگردوں کا بھی یہ حال تھا کہ انہوں نے بھی کبھی آپ کے سامنے آنکھ اونچی نہیں کی۔ مجھے اب تک آپ کے کسی شاگرد سے آپ کے خلاف کبھی کوئی کلمہ سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لحاظ سے بھی آپ صحیح معنوں میں سیّد یعنی سردار ہیں''۔

شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی نے تحریر فرمایا ''سکول میں دیر سے آنے والے اور سبق یاد نہ کرنے والوں کو بالعموم بدنی سزائیں دی جاتی ہیں لیکن حضرت میر صاحبؓ بدنی سزا دینے کے قائل نہ تھے۔ مدرسہ میں دیر سے آنے والے لڑکوں کے لئے آپ نے یہ طریقہ علاج تجویز کیا تھا کہ مدرسہ کے صحن میں ایک دائرہ بنا دیا تھا جس کا نام ''دائرۃ الکسالیٰ'' (سست لڑکوں کا دائرہ) رکھا تھا۔ جو لڑکے دیر میں آتے انہیں کچھ دیر کے لئے اس دائرہ کے گرد کھڑا کر دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ کسی لڑکے کے لئے سارے مدرسہ کے سامنے دائرۃ لکسالیٰ میں کھڑا ہونا کس قدر شرمندگی کا باعث ہوتا ہوگا۔ نتیجہ یہ تھا کہ تمام لڑکے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی مدرسہ میں آجاتے تھے۔ جو لڑکے سبق یاد کر کے نہ لاتے تھے ان کے لئے آپ نے یہ طریقہ سزا تجویز کیا تھا کہ ایسے تمام لڑکوں کو مدرسہ میں چھٹی ہونے کے بعد ایک کلاس میں جس کا نام آپ نے ''تنبیہ الغافلین'' تجویز فرمایا تھا حاضر ہونا پڑتا تھا اور جب تک وہ سبق یاد نہ کر لیتے تھے انہیں چھٹی نہ دی جاتی تھی۔ لڑکوں کے لئے مار کھا لینا آسان ہوتا ہے لیکن چھٹی ہونے کے بعد سبق یاد کرنے کے لئے گھنٹہ آدھ گھنٹہ ٹھہرنا ناقابلِ برداشت۔ یہی وجہ تھی کہ ہر لڑکا ''تنبیہ الغافلین'' کلاس میں داخل ہونے سے بچتا تھا اور سبق یاد کر کے لاتا تھا''۔

طلباء کے ساتھ شفقت

شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی حضرت میر صاحب کی شفقت کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''صرف میرے ہی ساتھ حضرت میر صاحبؓ کا یہ معاملہ نہ تھا بلکہ مدرسہ کے ہر بچہ کے ساتھ آپ اُسی شفقت و عنایت سے پیش آتے تھے۔ آپ کو ڈسپلن کا بے حد خیال رہتا تھا اور آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ مدرسہ احمدیہ میں کوئی لڑکا ننگے سر اور کوٹ پہنے بغیر نہ آئے۔ ایک مرتبہ حضرت میر صاحب نے ایک لڑکے کو بغیر کوٹ کے دیکھا۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ تم کوٹ پہنے بغیر کیوں مدرسہ میں آئے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوٹ نہیں ہے۔ حضرت میر صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد اسے دفتر میں بلا کر ایک کوٹ مرحمت فرمایا۔ یہ میں نے بطورِ نمونہ ایک مثال بیان کی ہے ورنہ حضرت میر صاحب کی ساری زندگی اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے''۔

مولوی عطاء الرحمٰن صاحب بیان فرماتے ہیں ''آپ نے شروع زمانہ ہیڈ ماسٹری میں نظام کے قیام اور تادیب کی خاطر کافی سختی سے کام لیا مگر اس سختی میں بھی باپ کی محبت شامل ہوتی تھی۔ ایک دن ہماری جماعت کو ایک قصور کی وجہ سے سزا دی مگر دوسرے دن صبح ہی حضرت میر صاحبؓ نے مانیٹر کو اور دو تین طالب علموں کو بلوایا اور اپنے پاس سے روپے دے کر منڈی بھجوایا کہ وہاں سے خربوزے خرید کر لائیں۔ آپ نے طلباء میں گذشتہ روز کی سزا کے تناسب سے خربوزے تقسیم کئے اور فرمایا کہ کل کے سزا دینے کا مجھ پر بار تھا مگر شاگرد استاد کے لئے بچوں کی مانند ہوتے ہیں۔ سزا کو اصلاح کے لئے دی جاتی ہے مگر اس کی تکلیف استاد کو ضرور ہوتی ہے اس لئے میں نے سوچا کہ آج تمہیں خوش بھی کر دوں اور اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا کر لوں''۔

سادگی و درویشی

مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ نے اپنے مضمون میں بیان فرمایا کہ ''آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت درجہ ذہانت بخشی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کی طبیعت اور لباس میں سادگی بھی بے حد تھی۔ طبیعت میں کوئی تکلف نہ تھا۔ لباس کا یہ حال تھا کہ بہت دفعہ پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے۔ ایسے لباس میں بھی مہمانخانہ میں بیٹھتے تو کوہ وقار معلوم دیتے۔ آپ کی بزرگی اور آپ سے محبت کی وجہ سے اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی نذرانہ پیش کرتا تو آپ اسے قبول نہ فرماتے۔ آخر عمر تک معمولی گزارہ پر خدمتِ سلسلہ کرتے رہے۔ آپ کے چہرہ سے دنیوی اموال و املاک سے کامل استغناء نظر آتا۔ صدر انجمن احمدیہ نے آپ کی بیش قیمت خدمات کی وجہ سے آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کروایا لیکن آپ نے مہمانخانہ میں درویشی کو ہی پسند فرمایا اور اس مکان میں نہ گئے''۔

محمد حفیظ بقاپوری صاحب بیان فرماتے ہیں ''حضرت میر صاحب کی زندگی بالکل سادہ اور ہر قسم کے تکلفات سے بالکل پاک تھی۔ مکرمی مرزا عبداللطیف صاحب درویش بیان کرتے ہیں کہ متعدد بار ایسا ہوا کہ صبح کے وقت میں اپنی دوکان میں بیٹھا ہوتا۔ حضرت میر صاحب تشریف لاتے اور ایک دو جگہ سے پھٹی ہوئی اپنی قمیص یا شلوار مجھے دیتے اور فرماتے ،لطیف! اس کو سی دو۔ چنانچہ میں تعمیل کرتا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ شلوار اس طرح زیادہ پھٹ چکی تھی کہ اس کو سیدھا سیا جانا ممکن نہ تھا۔ میں نے عرض کیا حضور! پیوند کے بغیر اس کی سلائی ممکن نہیں۔ فرمایا بے شک پیوند لگا دیں، رسول اللہ ﷺ پیوند لگے کپڑے پہن لیا کرتے تھے۔ اللہ اللہ یہ سادگی اور یہ محبتِ رسولؐ اور سنتِ نبوی کی اتباع! یاد رہے آپ کی یہ حالت ناداری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اسی سخاوت اور غریب پروری کی وجہ سے تھی جو یوثرون علیٰ انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ کا رنگ رکھتی تھی۔

آپ کی ذات میں نہ صرف اپنے لئے سادگی تھی بلکہ دوسروں کو بھی سادگی کا سبق دیتے تھے لیکن اپنے عملی نمونہ سے، جس کا اثر نہایت دیرپا ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ نے آپ کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ''ایک دفعہ لنگر خانہ میں روٹی ختم ہو چکی تھی اور سیالکوٹ کے کسی معزز زمیندار نے کھانا کھانا تھا۔ اس نے آپ کے پاس شکایت کہ روٹی ختم ہو چکی ہے اور مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ آپؓ اسی وقت اس کے ساتھ لنگر خانہ میں تشریف لے گئے۔ کھانے کی میز پر کافی تعداد میں بکھرے ہوئے بچے کھچے ٹکڑے پڑے تھے۔ ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ چوہدری صاحب کھانا تو موجود ہے۔ آیئے میں اور آپ دونوں کھائیں۔ چنانچہ آپ نے بعض ٹکڑے اکھٹے کر لئے اور پہلے خود کھانا شروع کر دیئے۔ سالن تو موجود تھا ہی روٹی کے قائم مقام ٹکڑے جمع ہو گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس معزز مہمان نے بھی وہ ٹکڑے کھانا شروع کر دیئے۔ اللّٰھم صلی علیٰ محمدٍ و علیٰ اٰل محمدٍ۔

جماعتی تربیت

مکرم محمد حفیظ صاحب بقاپوری لکھتے ہیں: ''آپ کی ہمیشہ یہی خواہش ہوتی کہ ہر شخص جو احمدی کہلاتا ہے وہ صحیح معنوں میں پکا اور سچا احمدی بنے۔ اپنے مواعظ حسنہ میں احباب جماعت کو خطاب فرماتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے ''احمدی کے معنے ہیں چھوٹا احمد۔ اس لئے ہر احمدی کو چھوٹا احمد بن کر اپنی زندگی گذارنی چاہیئے''۔ اپنے متعلق فرماتے ، میری حالت تو یہ ہے کہ بسا اوقات میں بازار میں جا رہا ہوتا ہوں اور اپنے نفس سے سوال کرتا ہوں کہ کیا میں احمدی ہوں؟ کیا میں احمد ثانی

ہوں؟ کیا میرے چلنے پھرنے اور بول چال سے احمد صادق کی تصویر نظر آتی ہے؟ فرماتے اگر ہر احمدی اسی نہج پر اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے تو ہر چیز جہاں اس کے اپنے نفس کی اصلاح اور درستی کا بہترین ذریعہ ہے وہاں جماعتی لحاظ سے بھی بڑی ہی مفید اور سودمند ہے''۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار شریف پر جا کر دعا کرنے کے سلسلہ میں فرمایا کرتے کہ وہاں جا کر اس طرح دعا کرنی چاہئے کہ ''اے اللہ! تیرا یہ محبوب اور پیارا بندہ تھا۔ جب تک اس دنیا میں رہا وہ تیرے دین کی خدمت و اشاعت کے لئے ہر طرح کوشش کرتا رہا۔ اُس کے دل میں کچھ نیک تمنائیں تھیں اور کچھ مقاصد تھے۔ اب وہ تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اے خدا! تو ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم اُن نیک تمناؤں اور اعلیٰ نیک مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں'' آمین۔

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس تبلیغ مشرقی افریقہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت میر صاحب نے انہیں اپنے قلم سے ایک قیمتی نسخہ لکھ کر دیا جس پر انہوں نے خود ساری عمر عمل کیا اور اس سے فائدہ اٹھایا اور اسی مجرب و اکسیر نسخہ کے استعمال کے لئے ہمیشہ اپنے شاگردوں کو تلقین فرمائی۔ حضرت میر صاحبؓ نے لکھا ''ما کان العبد فی عون اخیه کان الله فی عونه کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص ہر وقت لوگوں کی دینی اور دنیوی بھلائیوں میں لگا رہے تو یقیناً اس کے دینی اور دنیوی کام خود بخود ہوتے رہیں گے۔ میں نے اس نسخہ کو اچھی طرح تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ جب میں مشکلاتِ دینی اور دنیوی میں ہوتا اور میں اپنے اوقات کو مخلوقِ خدا کے فائدہ کے لئے خرچ کرتا تو خود بخود غیب سے ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ بغیر لوگوں سے مدد مانگنے کے مجھے تمام ضروری سامان مل جاتے اور میری مشکلات حل ہو جاتیں اور ایسی ایسی جگہوں سے خدا میرے کام کروا دیتا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا۔ اور یہی مفہوم ہے و امّا ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کا پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے کام خود بخود ہوتے جائیں وہ لوگوں کی مشکلات کے حل میں لگ جاوے۔ اللہ خود بخود اس کا متکفل ہو جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو پورے وقت کے لئے مخلوقِ خدا کی بہتری کے لئے وقف کر دے''۔

خود کام کرنے کی عادت

مکرم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں انہیں حضرت میر صاحب کے ساتھ حاضر ہونے کا شرف حاصل تھا۔ فرماتے ہیں ''سفر سے واپسی پر راستہ میں ایک گاؤں پڑتا تھا وہاں کے احمدی احباب نے حضرت میر صاحبؓ سے درخواست کی آپ ہمارے گاؤں میں تقریر فرمائیں۔ حضرت میر صاحبؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ایک تقریر ارشاد فرمائی جس میں سادگی اور ہاتھ سے کام کرنے پر زور دیا اور فرمایا کہ کسی بھی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اپنے کو دوسروں سے برتر نہ سمجھنا چاہئے بلکہ خادم خیال کرنا چاہئے۔ جلسہ کے بعد وہاں کے احمدی احباب نے کہا کہ ہم نے کھانے کا بھی انتظام کیا ہے لیکن ہمارے پاس اتنے آدمی نہیں کہ دو اڑھائی سو آدمیوں کو کھانا کھلا سکیں۔ اگر آپ اپنے میں سے چند آدمیوں کو اس غرض کے لئے مقرر کر دیں تو ہمیں سہولت رہے گی۔ جو اساتذہ ہمارے ساتھ تھے انہوں نے چند لڑکوں کو اس غرض کے لئے مقرر کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت میر صاحبؓ اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا کہ میں نے ابھی کہا تھا کہ کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار نہ محسوس کرنی چاہئے لیکن نصیحت اس وقت کارگر ثابت ہو سکتی ہے جب کہنے والا خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائے، لہٰذا اِس وقت طلبہ کو کھانا اساتذہ کھلائیں گے اور میں بھی اس کام میں ان کے ساتھ شریک ہوں گا۔ چنانچہ سب طلبہ کو مسجد میں بٹھا دیا گیا۔ حضرت میر صاحب روٹیاں تقسیم کرنے لگے اور دیگر اساتذہ نے پلیٹوں میں سالن ڈالنے اور پانی پلانے کا کام سنبھالا''۔

میاں اللہ دتہ صاحب سپاہی پینشنر سیالکوٹ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میر صاحبؓ کو خدمتِ دین کا کس قدر شوق تھا اور معمولی سے معمولی کام کرنا باعثِ ثواب سمجھتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں ''مَیں ملازمت کی حالت میں ایک دفعہ قادیان جلسہ دیکھنے آیا۔ رات کے کسی حصہ میں قادیان پہنچا تھا۔ مَیں اس وقت ناصر آباد میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ صبح کا وقت تھا کہ میں دودھ لینے کے لئے شہر گیا۔ راستہ میں کیا دیکھا کہ احمدیہ سکول کے پاس حضرت میر صاحبؓ مجھے ملے اور میں نے السلام علیکم کہا۔ آپ کا گلا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے السلام علیکم کا جواب دیا اور اشارے سے فرمایا میاں اللہ دتہ آؤ میرے ساتھ۔ میں ان کے ساتھ سٹور میں گیا۔ آپ نے چار پانچ لوٹے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لئے، میں نے بھی لوٹوں کا ایک ٹوکرہ سر پر اٹھا لیا۔ جہاں تک میرا خیال ہے آپ افسر جلسہ تھے۔ آگے آگے آپ جا رہے تھے پیچھے پیچھے میں جا رہا تھا۔ ہم احمدیہ سکول میں پہنچے اور لوٹے وضو کرنے کی جگہ پر رکھ دیئے۔ اس طرح لوگوں کے وضو کرنے کی تکلیف دور ہو گئی''۔

خدمت کا یہ کس قدر عجیب واقعہ ہے ایک شخص جو سب کا مخدوم ہے اور جلسہ کا افسر اور جس کے ساتھ کئی لوگ کام کرنے والے مگر خود اپنے ہاتھوں سے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ یہ تو وہی ادائیں ہیں جو حضرت میر صاحبؓ کے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تھیں، آپ تو اسی رنگ میں رنگین تھے جو آپ کو اپنے محسن و مربی حضرت مسیح موعودؑ کی تربیت اور صحبت سے حاصل ہوا۔

وقت کی قدر شناسی

حضرت مولانا ابوالعطاء بیان فرماتے ہیں ''وقت کی قدر شناسی میں آپؓ بہت آگے تھے۔ ہر کام میں پابندئ اوقات کے خواہاں تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب 1937ء میں مخرجین کے خلاف ایک تقریر کی وجہ سے جو حضرت میر صاحبؓ کی صدارت میں ہوئی تھی، مجھ پر اور حضرت میر صاحبؓ اور چند دیگر بزرگوں پر دفعہ 107 کا مقدمہ ہوا اور ہم سارے اکٹھے بٹالہ جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں پر ہماری مجلس میں یہ گفتگو چل پڑی کہ مسجد اقصیٰ میں پابندئ وقت کے ساتھ نماز کھڑی ہو جانے کے باعث لوگ مسجد مبارک کی نسبت وہاں زیادہ جاتے ہیں۔ حضرت میر صاحبؓ پُر زور طور پر اس کی وکالت کر رہے تھے کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہونے چاہئیں اور ان کی پوری پابندی کرنی چاہئے۔ میں ان دنوں محلّہ دارالرحمت قادیان کا صدر تھا اور حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ مرحوم مبلغ ماریشس محلّہ دارالرحمت میں امام الصلوٰۃ تھے۔ میں نے گونہ فخر سے کہا کہ حضرت! ہم نے اپنے محلّہ میں بڑا عمدہ انتظام کر رکھا ہے کہ اگر مقررہ وقت کے بعد پانچ منٹ تک امام تشریف نہ لائیں تو دوسرا شخص نماز پڑھا دیتا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ نے

بڑی حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ نے یہ کیا کہا ہے آج کے زمانہ میں پانچ منٹ بڑی چیز ہیں،نماز ہمیشہ وقت پر ہونی چاہیئے۔اس وقت تو میں نے یہی سمجھا کہ یہ تو بہت تشدد ہے مگر حضرت میر صاحبؓ کی وقت کی قدر شناسی کا اندازہ بعد کے حالات سے ہوا''۔

چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ آپ کے مدرسہ احمدیہ میں پڑھانے کے زمانہ کے بارہ میں لکھتے ہیں''وقت پر آنا اور وقت کے ختم ہو جانے پر فوراً کتاب بند کر کے چلے جانا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔نہ آپ کسی کا وقت لیتے تھے اور نہ کوئی دوسرے استاد آپ کا وقت لے سکتے تھے۔وقت شروع ہونے پر فوراً دروازہ پر پہنچ کر السلام علیکم کہتے تھے۔آپ ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وقت کی پابندی نہایت ضروری ہے۔اگر یہ اعلان کرایا جائے کہ جلسہ نو بجے شروع ہوگا تو نو بجے شروع کر دوخواہ ایک آدمی بھی نہ آیا ہو۔بعض دفعہ ایسا ہوا کہ مہمانخانہ میں ہمارا ہفتہ واری جلسہ شروع ہوا اور چند آدمی ہی تھے مگر چونکہ آپؓ صدر جلسہ تھے اس لئے عین وقتِ مقررہ پر شروع کرا دیا اور حاضرین بعد میں آتے گئے''۔

وقت کی پابندی نہ کرنا ایک ایسا مرض ہے جس پر بعض لوگ فخر محسوس کرتے ہیں کہ لوگ ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اپنے عہدہ کی وجہ سے اپنا حق سمجھتے ہیں کہ جس وقت چاہیں اجلاس یا میٹنگ میں جائیں۔وہ لوگ جو وقت کی پابندی کرتے ہیں انہیں نہ صرف انتظار کی کوفت اٹھانی پڑتی ہے بلکہ اگر پابندئ وقت کی بات کریں تو انہیں بہت سی نازیبا باتیں بھی سننی پڑتی ہیں۔جو قومیں وقت کی قدر نہیں کرتیں وقت بھی ان کی قدر نہیں کرتا۔

تقویٰ

مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں''تقویٰ کا بھی آپؓ میں ایک خاص رنگ تھا۔قادیان سے قریب موضع بھامڑی میں ہمارا جلسہ ہوا۔اس میں حضرت میر صاحبؓ بھی تشریف لے گئے اور علماء بھی گئے۔معاندین نے فساد کر دیا اور بعد میں ہمارے بزرگوں کے خلاف پولیس میں جھوٹی رپورٹ بھی دے دی۔جس پر ہمارے بعض معززین کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔انہی میں حضرت میر صاحبؓ بھی تھے۔چوہدری محمد اسحاق صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گرداسپور نے اس مقدمہ کی سماعت کی۔شہادتِ استغاثہ کے ختم ہونے کے بعد ہماری طرف سے شہادت صفائی پیش ہوئی۔محترم خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب مرحوم ہمارے گواہ صفائی تھے۔آپ نے اپنے بیان میں حضرت میر صاحبؓ کے متعلق فرمایا کہ آپ ایک نہایت معزز سیّد خاندان سے ہیں ،عالم قرآن وحدیث ہیں اور بعض اور وجاہت کے پہلو بھی بیان فرمائے۔حضرت میر صاحبؓ اس وقت میرے پاس ہی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔باوجود ملزم ہونے کے عدالت آپ کو ہمیشہ کرسی دیتی تھی۔جب محترم خان صاحب یہ بیان دے رہے تھے تو حضرت میر صاحب کے آنسو رواں ہو گئے۔آپ نے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور آہستہ سے نہایت رقت سے مجھے فرمانے لگے مرزا صاحب!ان چیزوں سے انسان بخشا نہیں جاتا۔مومن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔آپ کے الفاظ تو مجھے پورے یاد نہیں لیکن ان کا مفہوم وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔آپ کے الفاظ میں خاص درد انگیز رقت تھی اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے''۔

مندرجہ بالا مقدمہ ہی کا ذکر کرتے ہوئے مکرم مولانا عبد الرحمان صاحب سابق امیر قادیان نے فرمایا''مقدمہ کی تاریخ کے لئے ہمیں گرداسپور اور دھاریوال جانا پڑتا تھا۔ہم صبح کی گاڑی قادیان سے چل کر بٹالہ اتر جاتے اور پٹھانکوٹ کی گاڑی کے لئے اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں آرام کرتے جو بابو محمد شریف صاحب احمدی کے آباؤ اجداد نے بنوائی ہوئی تھی۔اُسی جگہ صبح کا ناشتہ بھی کرتے۔ان دنوں قادیان سے یہ گاڑی منہ اندھیرے ہی روانہ ہوتی تھی۔اس لئے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد میں حضرت میر صاحبؓ نے جو امیر قافلہ ہوتے تھے آنے والوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا کہ چار پانچ آدمی زیادہ آئے ہیں۔اس پر آپ نے حکم دیا کہ اسٹیشن سے اتنے ٹکٹ بٹالہ تا قادیان لائے جائیں۔چنانچہ ٹکٹ آنے پر ان کو اپنے ہاتھ سے پھاڑ دیا اور فرمایا چونکہ یہ دوست گاڑی پر سواری کر چکے ہیں اور محکمہ ریل نے پوچھا نہیں مگر سرکار کو اس کا حق ملنا چاہیئے''۔

مکرم شیخ عبد القادر مربی سلسلہ فرماتے ہیں''آپ اپنی یا ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بعض اوقات قرض بھی لے لیا کرتے تھے۔حضرت میر صاحبؓ کا یہ طریق تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق قرض لے کر واپسی کے وقت کچھ روپیہ زیادہ دے دیا کرتے تھے۔بعض لوگ جو آپ کی اس عادت سے پوری طرح آگاہ تھے وہ اس موقعہ کی تاڑ میں رہتے تھے کہ حضرت میر صاحبؓ کو روپیہ کی ضرورت پیش آئے اور وہ روپیہ لا کر دے دیں۔کیونکہ ان کے نزدیک حضرت میر صاحب کو قرض دینا بھی روپیہ کو بڑھانے کا ایک ذریعہ تھا۔

توکّل علی اللہ

حضرت مولانا ابو العطاء صاحب فرماتے ہیں''حضرت میر صاحبؓ کے توکّل علی اللہ کی بے شمار مثالیں ہیں،ان کی ساری زندگی ہی متوکلانہ تھی۔میں کبھی اس بات کو بھول نہیں سکتا کہ جب 1937ء میں فتنہ مستریاں زوروں پر تھا تو ان لوگوں نے ایک دو نارو اباتیں حضرت میر صاحبؓ کے متعلق بھی شائع کیں۔میں نے جوشِ غیرت میں حضرت میر صاحبؓ کے پاس جا کر ان باتوں کے لئے تردیدی بیان کی ضرورت ظاہر کی تا اسے شائع کر دیا جائے۔آپ نے فرمایا بہت اچھا میں کل جواب لکھ دوں گا۔دوسرے دن جب کہ آپ ابھی جامعہ احمدیہ سے واپس آرہے تھے میں گھر کے قریب مل گیا۔فرمانے لگے کہ میں ابھی اندر سے لکھ کر لاتا ہوں۔میرا خیال تھا کہ لمبا چوڑا بیان ہوگا مگر چند منٹ کے بعد آپ باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دے کر فرمایا کہ میرا یہی جواب ہے۔اس پر صرف یہ آیت تحریر تھی''وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ'' نیچے دستخط تھے اور تاریخ درج تھی۔مجھے اس زمانہ کے جوشِ جوانی کے ماتحت اس پر تعجب ہوا مگر جب غور کیا تو اس سے بہتر جواب نہ تھا اور فی الواقع ثابت ہو گیا کہ جس طرح انہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خود معاندین کو جواب دیا تھا''۔

شرفِ انسانیت

حافظ عبد العزیز صاحب مؤذن مسجد اقصیٰ قادیان جنہوں نے خود حضرت میر صاحبؓ کے الطافِ کریمانہ کا مشاہدہ کیا،بیان فرماتے ہیں''ایک دفعہ یوم التبلیغ کے موقع پر حضرت میر صاحبؓ مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ،طلباء اور

دارالشیوخ کے یتامیٰ اور مساکین کے ہمراہ موضع ننگل باغباناں میں تشریف لے گئے۔آپ نے سب ہمراہیوں کے لئے چنے بھنوا کر ان میں شکر ڈلوائی اور پلیٹوں میں تقسیم کرنے شروع کئے۔میں بھی اس وقت موجود تھا لیکن ذرا علیحدہ ہٹ کر کھڑا تھا کیونکہ میں ننگل کی ڈھاب کے گندے پانی اور کیچڑ میں گر پڑا تھا اور میرے کپڑے خراب اور بدبودار ہو گئے تھے اور طبعی طور پر دوسرے احباب مجھ سے نفرت محسوس کر رہے تھے۔حضرت میر صاحبؓ نے میری اس حالت کو دیکھا تو چنوں کی ایک پلیٹ اٹھا کر مجھے ساتھ لیا اور ایک طرف بیٹھ کر فرمانے لگے کہ عبدالعزیز! تمہیں کوئی اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا، آؤ ہم دونوں مل کر کھائیں۔اپنی حالت کو دیکھ کر اور حضرت میر صاحبؓ کا مقام اور مشفقانہ سلوک دیکھ کر میری حالت عجیب تھی اور دوسرے لوگ بھی مجھ پر رشک کر رہے تھے''۔

شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ اپنے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں ''ایک لڑکا قادیان میں آیا اور یہ ظاہر کیا کہ میں ایک ہندو گھرانے کا چشم و چراغ ہوں، جالندھر کا باشندہ ہوں اور میرا بھائی جالندھر میں بیرسٹر ہے۔میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔حضرت میر صاحب ناظر ضیافت تھے۔ایک ہندو اور پھر اعلیٰ خاندان کا فرد سمجھ کر آپ نے اس کی خوب خاطر مدارت کی۔اعلیٰ غذا اور عمدہ رہائش کا انتظام کیا۔جب دو اڑھائی ماہ گذر گئے تو پتہ چلا کہ اس لڑکے نے اپنا اعزاز قائم کروانے کے لئے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کیا ہے ورنہ وہ ایک متوسط طبقہ کے مسلمان گھرانے کا فرد ہے۔آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور نہایت ہی نرمی، خلق اور محبت کے ساتھ اس پر یہ بات ظاہر کی کہ گو ہمیں اصل واقعہ کا علم ہو گیا ہے لیکن ہم آپ کے اعزاز میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔آپ جس طریق پر یہاں رہائش پذیر ہیں اس طریق پر ہم آپ کو رکھیں گے۔آپ پہلے سے زیادہ ذوق اور شوق کے ساتھ دینی کتب کا مطالعہ کریں اور ہرگز اس امر کو محسوس نہ کریں کہ آپ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے۔انسان کمزور ہے غلطی کر بیٹھتا ہے۔غرضیکہ اسے بہت تسلی اور تشفی دی اور ملازموں کو بھی ہدایت کر دی کہ ان کا اعزاز بدستور قائم رہے۔لیکن وہ بہت ہی شریف النفس اور شرمیلا لڑکا تھا ایک دو دن کے بعد ہی وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے وہاں سے روپوش ہو گیا۔لیکن حضرت میر صاحبؓ کے اخلاقِ حسنہ اور شریفانہ برتاؤ کا اس پر ایسا اثر تھا کہ احمدیت اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی اور وہ احمدیت کا والا و شیدا ہو گیا۔میں نے اسے دیکھا کہ وہ جلسہ سالانہ اور دوسری اہم تقریبات پر ہمیشہ مرکز میں آتا مگر مفلر یا رومال سے منہ کو اکثر لپیٹے رکھتا اور جب گھر واپس جاتا تو تبلیغ احمدیت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا۔مجھے پتہ چلا کہ بعض اچھے اچھے لوگوں نے اس کے ذریعہ بیعت کی''۔

مناظرہ میں کمال

حضرت میر صاحبؓ کو مناظرہ کرنے میں خداداد کمال حاصل تھا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں ''حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی عقل نہایت درجہ تیز اور دل و دماغ کی طاقتیں انتہائی طور پر روشن تھیں۔مناظرہ میں ان کو یہ کمال حاصل تھا کہ اپنی نوجوانی میں بھی جہاں دیدہ اور کہنہ مشق مخالفوں کو چند منٹ میں خاموش کرا کے رکھ دیتے۔1918ء میں جب کہ وہ ابھی بالکل نوجوان تھے، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے انہیں بمبئی میں تبلیغ کے لئے بھیجا اور اس سفر میں یہ خاکسار بھی ان کے ساتھ تھا۔وہاں ایک بڑے جہاندیدہ بوڑھے پادری نے غیر احمدی مسلمانوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا لیکن جب حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا اس کے ساتھ مناظرہ ہوا تو ان کے سامنے یہ خرانٹ پادری ایک طفلِ مکتب نظر آتا تھا۔مسلمان نوجوانوں نے خوش ہو کر حضرت میر محمد اسحاق صاحب کو گویا اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا''۔

حضرت مولانا ابو العطاء صاحب آپ کے مناظروں کے متعلق بیان فرماتے ہیں ''آپ ہمیشہ مدلّل اور مختصر بات کرتے تھے۔چونکہ سوچ سمجھ کر اور باموقعہ بات کرتے تھے اس لئے حرفِ آخر کا حکم حاصل ہوتا تھا۔میں نے ان کے بعض مناظرات بھی سنے اور اکثر دفعہ ان کی صدارت میں خود بھی مناظرات اور تقاریر کی ہیں۔وہ ہر موقعہ پر لاجواب بات کرتے تھے۔ایک دفعہ ایک سناتنی پنڈت سے مناظرہ تھا۔اس پنڈت نے پہلی تقریر سنسکرت اور ملی جلی ہندی میں کی۔ہم حیران تھے کہ اب کیا ہوگا۔حضرت میر صاحب سارا وقت خاموشی سے تقریر سنتے رہے اور جب آپ کا وقت شروع ہوا تو کھڑے ہو کر نہایت متانت سے عربی میں تقریر شروع فرما دی۔سارے ہندو اور آریہ منہ تک رہے تھے۔ان کے صدر نے کہا کہ حضرت آپ کی تقریر کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔آپ نے فرمایا و نحن کذلک۔آخر قرار پایا کہ اردو میں تقاریر ہوں۔چنانچہ آرام سے نہایت کامیاب مناظرہ ہوا۔حضرت میر صاحب کا یہ اقدام نہایت ہی پر لطف تھا''۔

شب و روز کے معمولات

مکرم عبداللطیف شاہد صاحب نے آپؓ کے شب و روز کے مشاغل کے متعلق تحریر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس قدر عدیم الفرصت انسان تھے اور کس طرح ساری زندگی وقف کی سچی روح کے ساتھ گذار دی۔آپ لکھتے ہیں ''حضرت میر صاحب از حد مصروف الاوقات انسان تھے اور ہمہ صفات حسنہ و اخلاق مرضیہ سے متصف۔آپ کے شب و روز کے مشاغل جو ہم نے پچیس سال تک دیکھے اس سے ہم یہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ فانی فی اللہ انسان تھے۔علی الصبح متعلقین، مہمانوں اور طلباء کو نمازِ فجر کے لئے تحریک کر کے لے جانا، نماز کے بعد درس حدیث دینا، واپس آ کر لنگر خانہ اور دارالشیوخ کا جائزہ لینا، چاشت کے وقت مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ میں تعلیم اور نگرانی کی ڈیوٹی علی الدوام کرنا، پھر ظہر کی نماز کے بعد انجمن کے کاموں میں حصہ لینا، اپنے اہل و عیال کی تعلیمی و تربیتی ذمہ داریوں کو ادا کرنا، کسی جلسہ یا تعلیمی و تبلیغی میٹنگ میں مصروفیت، مہمانوں کی آؤ بھگت اور خبر گیری، ملازمینِ لنگر خانہ اور دارالشیوخ کی نگرانی اور مناسب ہدایات، قاضی سلسلہ کی حیثیت سے لمبا وقت ہر روز صرف کرنا، سلسلہ کے ہنگامی کاموں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے عائد کردہ خدمات ادا کرنا، اخبارات اور رسائل کے لئے مضامین لکھنا، رشتہ داروں کی ضروریات اور حوائج اور ضرورت مند افراد اور محتاج اور غریب و یتامیٰ، بیوگان اور مساکین کی خبر گیری کرنا، یہ اور اسی قسم کے دوسرے چھوٹے موٹے کام جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں جب بھی ہم نے دیکھا آپ کو ان کی ادائیگی میں ہی مصروف پایا۔آپ کا بارعب باوقار ہنس مکھ چہرہ ملنے والوں میں ادب و احترام اور محبت و موانست کے جذبات یکساں طور پر پیدا کرتا تھا۔الغرض آپ کا وجود آپ کے زمانہ کے احمدی مردوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کے لئے باعثِ صد رحمت تھا اور جو باقیات الصلحات اپنی تصانیفِ عالیہ اور مضامین مفیدہ نیز

شاگردوں کے رنگ میں چھوڑ گئے ہیں وہ قیامت تک آپ کے لئے انشاء اللہ صدقہ جاریہ بنی رہیں گی۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی اولاد در اولاد کو بھی آپ کے رنگ میں رنگین بنائے اور اسلام واحمدیت کی بیش تر خدمات کی توفیق بخشے، آمین''۔

بے پناہ مصروفیات کے باوجود لوگوں سے ملنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے دیتے۔مولوی محمد یاسین صاحب سابق محرر نظارت ضیافیت قادیان لکھتے ہیں کہ''ایک دفعہ نظارت علیا سے حکم آیا کہ مہمانوں سے ملاقات کے لئے ناظر صاحبان ملاقات کے وقت کی تعین کر دیں کہ اعلان کر دیا جائے اور دفتری کام کا حرج نہ ہو۔حضرت میر صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ لکھ دو مجھ سے جس وقت بھی کوئی چاہے ملاقات کر سکتا ہے''۔

تعزیت نامہ

حضرت میر صاحبؓ کی وفات کے متعلق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک واقعہ تحریر فرمایا ''افسوس کہ حضرت میر صاحب کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی اور وہ چوّن سال کی عمر میں ہی جو ایک طرح سے گویا جوانی کی عمر ہے جماعت کو داغِ مفارقت دے گئے۔ان کی وفات سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ مجھے نہیں بھولتا۔جب حضرت میر صاحب اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک دفعہ بیمار ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعا کرنے پر حضورؑ کو ان کے متعلق قرآنی آیت کے الفاظ میں یہ الہام ہوا تھا کہ سلامٌ قَولاً مِنْ رب رحیم۔اور وہ اس خدائی بشارت کے ماتحت اُس وقت صحت یاب ہو گئے لیکن جب ان کی مقدر اجل آ گئی تو یہ عجیب توارد ہے بلکہ غیر معمولی تصرف الٰہی کہ ان کے پہلو میں یٰسین پڑھنے والے دوست (غالبًا حافظ محمد رمضان صاحب ہی تھے) جب اس آیت پر پہنچے کہ سلامٌ قَولاً مِنْ رب رحیم تو عین اُس وقت حضرت میر صاحب نے خدائی آواز پر لبیک کہا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔گویا یہی قرآنی آیت بچپن کے زمانہ میں میر صاحبؓ کی دنیوی زندگی کی بشارت بنی اور اجلِ مقدر کے وقت اُخروی زندگی کی بشارت بن گئی۔اُن کی وفات پر جماعت کا غریب طبقہ اور خصوصاً دارالشیوخ اور مدرسہ احمدیہ کے طلبہ کا طبقہ اس طرح بلک بلک کر روتا تھا کہ گویا وہ سچ مچ یتیم ہو گیا ہے''۔

حضرت میر صاحبؓ کی وفات پر بہت سے مضامین اور تعزیت کے خطوط لکھے گئے ان میں تعزیت کا ایک خط جو حضرت حافظ مختار احمد صاحبؓ شاہجہانپوری نے آپ کے صاحبزادہ مکرم سیّد داؤد احمد صاحب کو تحریر فرمایا وہ ان کی سیرت کی خوب عکاسی کرتا ہے ''میاں آپ کے تو والد اور مجموعہ اوصافِ حمیدہ و محاسنِ پسندیدہ والدِ ماجد نے وفات پائی ہے۔ان کا بابرکت سایہ سر سے اٹھ جانا جتنا بھی موجب صدمہ واندوہ بنے کم ہے۔لیکن ان کی وفات کا صدمہ ان کی اولاد اور ان کے قریبی رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیاء احمدیت اس صدمہ جانکاہ میں شریک ہے اور اس میں ایسے افراد بھی تھوڑے نہیں جو یہ خیال کرتے ہوں گے کہ اس حادثۂ ہولناک کا صدمہ سب سے بڑھ کر انہیں کو ہوا ہے۔

بہت سے بچے اور نوجوان ان کی وفات سے یتیم اور بہت سی بیوہ خواتین دوبارہ بے والی ہوئی ہیں۔بہت سی مخلوق کو ایک سچے مربی، سچے خیر خواہ اور سچے ہم درد سے محروم ہونا پڑا ہے۔بہن بھائی کا بے مثل بھائی، بھانجوں بھتیجوں اور بھانجیوں بھتیجیوں کا بے نظیر ماموں اور چچا ان سے جدا ہوا ہے۔بالآخر یہ کہ سیّدنا حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن کے عظیم المرتبت معتمد سے دنیا خالی ہوئی ہے۔

حضرت میر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوت ہو جانا کسی خاص فرد یا پانچ سات دس بیس افراد کا نقصان نہیں بلکہ تمام سلسلہ احمدیہ کا نقصانِ عظیم ہے۔وہ یتیموں کے ملجاء وماویٰ تھے۔وہ مسکینوں اور محتاجوں کے ہمدرد و دستگیر تھے۔وہ علوم دینی کے بحرِ زخار تھے۔وہ حقائق ومعارف کے دریائے ناپیدا کنار تھے۔وہ خطیب فصیح اللّسان وعذب البیان تھے۔وہ مناظرِ یکتا و بے ہمتا تھے۔محراب ومنبر کی ان سے زینت تھی اور کثیر خلقِ خدا کو ان سے راحت۔وہ شیداء قرآن وحدیث اور عاشق خدا ورسولؐ تھے۔وہ آیاتِ الٰہیہ میں سے ایک بہت منور آیت تھے اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے عظیم الشان حجت۔دل ان کے دردِ فراق سے بے قرار ہیں اور آنکھیں اشکبار''۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کی وفات پر ایک خطاب میں انہیں خراجِ تحسین ان الفاظ میں پیش کیا ''حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ خدماتِ سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر انہی کو رہتا تھا۔وہ رات دن قرآن وحدیث پڑھانے میں لگے رہتے تھے۔زندگی کے آخری دور میں وہ کئی بار موت کے منہ سے بچے کیونکہ جلسہ سالانہ پر وہ اس طرح اندھا دھند کام کرتے تھے کہ کئی بار ان پر نمونیہ نے حملہ کیا۔میر صاحب کی وفات سلسلہ کا نقصان ہے اور اتنا بڑا نقصان ہے کہ بظاہر یہی نظر آتا ہے اس نقصان کا پورا کرنا آسان نہیں۔مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ اس طرز کے تھے۔ان کے بعد حافظ روشن علی صاحب اور تیسرے میر محمد اسحاق صاحبؓ اس رنگ میں رنگین تھے''۔(الفضل 19 مارچ 1944ء)

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

اسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

غیرت دینی کے چند بے نظیر نمونے

(محمود احمد انیس)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا۔(سورۃ النساء :141)

ترجمہ: اور یقیناً اس نے تم پر کتاب میں یہ حکم اتارا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے یا ان سے تمسخر کیا جا رہا ہے تو اُن لوگوں کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اَور بات میں مصروف ہو جائیں۔ ضرور ہے کہ اس صورت میں تم معاً اُن جیسے ہی ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔

اس مضمون کی سب سے زیادہ وضاحت آنحضرت ﷺ کے ارشادات مبارکہ اور آپ کی سنت سے ہوتی ہے۔ دیگر صفات کی طرح خدا تعالیٰ کے نام کی عظمت اور غیرت دینی کا اظہار بھی آپ کی ذات میں اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک بڑا مشہور واقعہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سخت خطرے کی حالت میں بھی آپ نے توحید کی عظمت پر حرف نہیں آنے دیا۔

غزوۂ احد کے موقعہ پر جب کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر پھیلا دی گئی تو مکہ کے رؤساء دیر تک آنحضرت ﷺ کی نعش میدان میں تلاش کرتے رہے اور اس نظارے کے شوق میں ان کی آنکھیں ترس گئیں مگر جو چیز کہ نہ ملنی تھی، نہ ملی۔ اس تلاش سے مایوس ہو کر ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس درّہ کی طرف بڑھا جہاں مسلمان جمع تھے اور اس کے قریب کھڑے ہو کر پکار کر بولا: "مسلمانو! کیا تم میں محمد ہے؟" آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی جواب نہ دے؛ چنانچہ سب صحابہ خاموش رہے۔ پھر اس نے ابوبکر و عمر کا پوچھا، مگر اس پر بھی آپ کے ارشاد کے ماتحت کسی نے جواب نہ دیا۔ جس پر اس نے بلند آواز سے فخر کے لہجہ میں کہا کہ یہ سب لوگ مارے گئے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس وقت حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور وہ بے اختیار ہو کر بولے: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہتا ہے، ہم سب زندہ ہیں اور خدا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں ذلیل کرے گا۔ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان کر کہا "عمر سچ سچ بتاؤ کیا محمد زندہ ہے؟" حضرت عمرؓ نے کہا "ہاں! خدا کے فضل سے وہ زندہ ہیں اور تمہاری یہ باتیں سن رہے ہیں۔" ابوسفیان نے کسی قدر دھیمی آواز میں کہا: تو پھر ابن قمئہ نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ میں تمہیں اس سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے نہایت بلند آواز سے پکار کر کہا: اُعْلُ هُبَل۔ یعنی اے ھبل تیری بلندی ہو۔ صحابہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے خاموش رہے مگر آنحضرت ﷺ جو اپنے نام پر تو خاموش رہنے کا حکم فرما دیتے تھے، اب خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں بت کا نام آنے پر بیتاب ہو گئے۔ فرمایا: تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلّ یعنی بلندی اور بزرگی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ۔ ہمارے ساتھ عزیٰ ہے اور تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ کہو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ ۔ عزیٰ کیا چیز ہے۔ ہمارے ساتھ اللہ مددگار ہے اور تمہارے ساتھ کوئی مددگار نہیں۔

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 498 تا صفحہ 499)

ایک اور موقعہ پر بھی آپ کا یہی اسوۂ حسنہ جلوہ گر ہوا جب ایک غزوہ میں آپ نے ایک مشرک کی مدد لینے سے انکار فرما دیا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ حرۃ الوبرہ مقام پر ایک مشرک شخص حاضر خدمت ہوا۔ جرأت و شجاعت میں اس کی بہت شہرت تھی۔ صحابہؓ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اس شرط پر آپ کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونے آیا ہوں کہ مال غنیمت سے مجھے بھی حصہ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم جا سکتے ہو، میں کسی مشرک سے مدد لینا نہیں چاہتا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے پھر حاضر ہو کر یہی درخواست کی تو آپؐ نے وہی جواب دیا۔ وہ تیسری دفعہ آیا اور عرض کیا کہ مجھے بھی شریک لشکر کر لیں۔ آپ نے پھر پوچھا کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس دفعہ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر ہمارے ساتھ چلو۔

(صحیح مسلم کتاب الجهاد والسير باب كراهية الاستعانة فى الغزو بكافر)

درحقیقت وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے قومی وقار کا خیال رکھتی ہیں اور اپنے ایمان اور اعتقاد کے معاملے میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتیں۔ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ نے بظاہر بے سروسامانی کے عالم میں بھی اپنا قومی تشخص برقرار رکھا اور مسلمان قوم کی عزت اور وقار پر کبھی آنچ نہ آنے دی اور جہاں مخالفین یا منافقین نے کوئی ظلم کی راہ اختیار کرنا چاہی ان کا ایسا تعاقب کیا کہ انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی بہادری اور غیرت دینی کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اس وقت مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ ان کے نام بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آتے ہی قبائل

کے ساتھ امن وامان کے معاہدے کر لیے اور آپس میں صلح اور امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ آپ یہود کی دلداری فرماتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں زیادہ اقتدار حاصل کرتے جاتے ہیں تو باوجود اس دلدارانہ سلوک کے انہوں نے مخالفت میں ہر قسم کی جائز وناجائز تدابیر اختیار کرنا شروع کیں۔ اور وہ اپنی شرارتوں میں ترقی کرتے چلے گئے اور بالآخر خود یہود کی طرف سے ہی جنگ کی پہل ہوئی اور ان کی قلبی عداوت ان کے سینوں میں سما نہ سکی۔ اور یہ اس طرح پر ہوا کہ ایک مسلمان خاتون بازار میں ایک یہودی کی دکان پر کچھ سودا خریدنے کے لیے گئی۔ بعض شریر یہودیوں نے جو اس وقت اس دکان پر بیٹھے ہوئے تھے اسے نہایت اوباشانہ طریق پر چھیڑا اور خود دوکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس عورت کی تہ بند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں کسی کانٹے وغیرہ سے اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت ان کے اوباشانہ طریق کو دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر لوٹنے لگی تو وہ اپنے ستر کو قائم نہ رکھ سکی۔ اس پر یہودی دوکاندار اور اس کے ساتھیوں نے زور دار قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگ گئے۔ مسلمان خاتون نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مدد چاہی۔ اتفاق سے ایک مسلمان اس وقت قریب موجود تھا۔ وہ لپک کر موقع پر پہنچا اور باہم لڑائی میں یہودی دوکاندار مارا گیا۔ جس پر چاروں طرف سے اس مسلمان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ غیور مسلمان وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو غیرت قومی سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دوسری طرف یہود جو اس واقعہ کو لڑائی کا بہانہ بنانا چاہتے تھے ہجوم ہو کر اکٹھے ہو گئے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے رؤساء بنوقینقاع کو جمع کر کے کہا کہ یہ طریق اچھا نہیں، تم ان شرارتوں سے باز آجاؤ اور خدا سے ڈرو۔ انہوں نے نہایت مغرورانہ انداز میں دھمکی دی کہ بدر کی فتح پر غرور نہ کرو جب ہم سے مقابلہ ہوگا تو پتہ لگ جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ناچار آپ صحابہ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر بنوقینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر بنوقینقاع اپنے قلعوں میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک برابر محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر جب بنوقینقاع کا سارا زور اور غرور ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس شرط پر اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہو جائیں گے، مگر ان کی جانوں اور ان کے اہل وعیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ اب ایسے حالات میں آنحضرت ﷺ کا یہی فیصلہ ہو سکتا تھا کہ بنوقینقاع مدینہ سے چلے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے۔

(سیرت خاتم النبیین۔ تلخیص از صفحہ 457 تا صفحہ 460)

صحابہ رضوان اللہ علیہم کو آنحضور ﷺ سے بے پناہ عشق ومحبت تھی اور کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے۔ ایک عجیب محبت اور غیرت کا جذبہ تھا جو دینِ اسلام اور حضور ﷺ کی ذات کے لیے ان دلوں میں موجزن تھا۔ تاریخ اسلام اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قبیلہ ثقیف کا ایک بہت بااثر رئیس عروہ بن مسعود قریش کا نمائندہ بن کر آیا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ آپ نے اس کے سامنے اپنی وہی تقریر دہرائی جو اس سے قبل آپ بدیل بن ورقا کے سامنے فرما چکے تھے۔ عروہ اصولاً آنحضرت ﷺ کی رائے کے ساتھ متفق تھا مگر قریش کی سفارت کا حق ادا کرنے اور ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ شرائط محفوظ کرانے کی غرض سے کہنے لگا: ''اے محمد! اگر آپ نے اس جنگ میں اپنی قوم کو ملیا میٹ کر دیا تو کیا آپ نے عربوں میں کسی ایسے آدمی کا نام سنا ہے جس نے آپ سے پہلے ایسا ظلم ڈھایا ہو۔ لیکن اگر بات دگرگوں ہوئی یعنی قریش کو غلبہ ہو گیا تو خدا کی قسم مجھے آپ کے ارد گرد ایسے منہ نظر آرہے ہیں کہ انہیں بھاگتے ہوئے دیر نہیں لگے گی اور یہ سب آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے''۔ حضرت ابوبکرؓ جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے عروہ کے یہ الفاظ سن کر غصہ سے بھر گئے اور فرمانے لگے: ''جاؤ جاؤ اور لات کی شرمگاہ کو چومتے پھرو۔ کیا ہم خدا کے رسول کو چھوڑ جائیں گے؟'' عروہ نے طیش میں آکر پوچھا: یہ کون شخص ہے جو اس طرح میری بات کاٹتا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابوبکر ہیں۔ ابوبکرؓ کا نام سن کر عروہ کی آنکھیں شرم سے نیچی ہو گئیں۔ کہنے لگا: ''اے ابوبکر! اگر میرے سر پر تمہارا ایک بھاری احسان نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں تمہیں اس وقت بتاتا کہ ایسی بات کا، جو تم نے کہی ہے، کس طرح جواب دیتے ہیں''۔ یہ کہہ کر عروہ پھر آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہوا اور اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو اپنے نقطۂ نظر کی طرف کھینچ لانے کی تدبیر کرتا رہا اور گاہے گاہے عرب کے دستور کے مطابق آپؐ کی ریش مبارک کو بھی ہاتھ لگا دیتا تھا۔ مگر جب کبھی بھی وہ ایسا کرتا ایک مخلص صحابی جن کا نام مغیرہ بن شعبہ تھا اور جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑے تھے (اور رشتہ میں عروہ کے بھتیجے تھے) اپنی تلوار کے نیام سے عروہ کا ہاتھ جھٹک کر پرے کر دیتے اور کہتے ''اپنا ناپاک ہاتھ رسولِ مقبول کے مبارک چہرہ سے دور رکھو''۔

(سیرت خاتم النبیین از حضرت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ 756 تا صفحہ 757)

یوں تو عرب قوم ایک بہادر اور غیور قوم ہی مشہور تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں اپنی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے بعض معمولی جھگڑوں پر انہوں نے سالہا سال آپس میں جنگیں لڑیں لیکن آنحضور ﷺ نے ان کی ایسی پاک تربیت کی اور وہ ایسے بدلے کہ پھر ان کے جوش اور غیرت وحمیت کے جذبات خدا تعالیٰ کے نام اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے وقف ہو گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ بنومصطلق تھا)۔ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پیٹھ پر مارا۔ اس پر مہاجر نے مہاجرین کو اور انصاری نے انصار کو مدد کے لیے پکارا۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا: یہ کیا جاہلیت کے نعرے بلند کیے جا رہے ہیں؟ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ مہاجروں میں سے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کو پیٹھ پر مارا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (ان جاہلیت کے نعروں) کو چھوڑو کیونکہ یہ بہت گندے اور قبیح ہیں۔ یہ بات عبداللہ بن ابی سلول نے سنی تو کہا: کیا اس نے سچ مچ ایسا کیا ہے؟ خدا کی قسم جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو سب سے معزز شخص ذلیل ترین شخص کو وہاں سے نکال دے گا۔

(اس نے یہ بات نعوذ باللہ حضورﷺ کے متعلق کہی تھی)۔اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑادوں۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دیں کہیں لوگ یہ نہ کہتے پھریں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کر دیتا ہے۔صحابہ کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے عبداللہ نے اپنے والد سے کہا تم واپس نہیں جا سکتے جب تک کہ یہ اقرار نہ کرلو کہ تم ہی ذلیل ہو اور رسول اللہ ہم سب سے معزز ہیں۔چنانچہ اس نے اپنے باپ کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

(سنن الترمذی. تفسیر القرآن باب ومن سورة المنافقین)

آج کے دور میں اس مضمون کا حقیقی عرفان ہمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے ملا ہے۔آپؑ کو آنحضرتﷺ اور دین اسلام سے غیر معمولی عشق تھا۔آپ نے 'جری اللہ فی حلل الانبیاء' کے مطابق اپنی ساری زندگی اسلام کی سربلندی میں گزاری۔ ہر مذہب وملت کے لوگوں کو اسلام کا بہادر جرنیل بن کر اسلام کے مقابل پر اپنے مذہب کی سچائی پیش کرنے کی دعوت دی اور اسلام کے خلاف ہونے والے ہر حملے کو ناکام بنایا۔چنانچہ آپ کی تمام تصانیف،اشتہارات، مباحثے اور مناظرے وغیرہ سب آپ کی اسی غیرتِ دینی کے غماز ہیں۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ آپ کی غیرتِ دینی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
''آپ کو لوگوں نے گالیاں دیں۔ہر قسم کی تحقیر کی۔سامنے بیٹھ کر برا بھلا کہا۔آپ کو کبھی غصہ نہیں آیا اور آپ نے عفو و کرم کا اظہار کیا مگر جو امر آپ کی برداشت سے باہر تھا وہ ایک ہی تھا کہ آنحضرتﷺ کی تحقیر نہ سنتے تھے۔''

(سیرة حضرت مسیح موعودؑ صفحہ274 .
از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ)

آپؓ مزید فرماتے ہیں:
ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ فیروز پور سے قادیان کو آرہے تھے......میں رائیونڈ تک ساتھ تھا۔وہاں آپ نے از راہِ کرم فرمایا کہ تم ملازم تو ہو ہی نہیں، چلو لاہور تک چلو۔عصر کی نماز کا وقت تھا۔آپ نماز پڑھنے کے لیے تیار ہوئے اس وقت وہاں ایک چبوترہ بنا ہوا کرتا تھا مگر آج کل وہاں ایک پلیٹ فارم ہے۔میں پلیٹ فارم کی طرف گیا تو پنڈت لیکھرام، آریہ مسافر جو اُن ایام میں پنڈت دیانند صاحب کی لائف لکھنے کے کام میں مصروف تھا، جالندھر جانے کو تیار تھا کیونکہ وہ وہاں ہی غالباً کام کرتا تھا۔مجھ سے اُس نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔میں نے حضرت کی تشریف آوری کا ذکر سنایا تو خدا جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ بھاگا ہوا وہاں آیا جہاں حضرت اقدسؑ وضو کر رہے تھے۔اس نے ہاتھ جوڑ کر آریوں کے طریق پر حضرت اقدس کو سلام کیا مگر حضرت نے یونہی سر اٹھا کر سرسری طور پر دیکھا اور وضو کرنے میں مصروف رہے۔اس نے سمجھا کہ شاید سنا نہیں۔اس نے پھر (سلام) کہا۔حضرت بدستور استغراق میں رہے۔وہ کچھ دیر ٹھہر کر چلا گیا۔کسی نے کہا کہ لیکھرام سلام کرتا تھا۔فرمایا:اس نے آنحضرتﷺ کی بڑی توہین کی ہے، میرے ایمان کے خلاف ہے کہ اس کا سلام لوں۔آنحضرتﷺ کی پاک ذات پر تو حملے کرتا ہے اور مجھ کو سلام کرنے آیا ہے۔

(حیات طیبہ مطبوعہ انڈیا2001ء صفحہ173
.از حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل)

1907ء میں لاہور میں آریہ سماج نے ایک جلسہ منعقد کیا اس میں ان کی دعوت پر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک مضمون بھجوایا جو آپؑ کی تصنیف ''چشمۂ معرفت'' کے اول میں چھپا ہوا ہے۔اس مضمون کو پڑھنے کے لیے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ مقرر ہوئے، آپؓ کے ساتھ ایک جماعت بھجوائی گئی۔حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ اس کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
''آریوں نے اپنی نوبت پر آنحضرتﷺ کی شان میں دل آزار کلمات بولے۔آپؑ نے جب یہ سنا کہ ہماری جماعت کے لوگ ان کلمات کو سن کر بیٹھے رہے تو آپؑ نے اظہار ناراضگی فرمایا کہ کیوں جماعت کے لوگ وہاں بیٹھے رہے باوجودیکہ حضرت حکیم الامتؓ کا آپؑ بہت احترام فرماتے تھے اور ان سے بہت محبت رکھتے تھے مگر اس فروگذاشت میں جو حاضرین مجلس سے ہوئی تھی آپؑ نے کسی کی پروانہ کی اور اظہار ناراضگی فرمایا۔حضرت خلیفہ ثانیؓ بھی اس وفد میں شریک تھے اور وہ اس وقت وہاں سے آنا بھی چاہتے تھے مگر ایک دوست نے کہہ دیا کہ راستہ نہیں ہے، ان کو بھی اٹھنے نہ دیا.........اور جواب طلب کیا گیا کہ کیوں تم اس مجلس سے نہ اٹھ آئے جہاں حضرت نبی کریمﷺ کی ہتک ہوئی تھی۔''

(سیر ت حضرت مسیح موعود صفحہ272
تا صفحہ273. از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ)

اب ایک اور غیرت دینی کا واقعہ ملاحظہ ہو۔یہ اس زمانہ کی بات ہے جب حضرت مسیح موعودؑ دعویٰ سے قبل سیالکوٹ میں قیام پذیر تھے۔حضرت شیخ عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں: ''ایک دفعہ کچہری برخواست ہونے کے بعد جب اہلکار گھروں کو واپس ہونے لگے تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔آخر ایک شخص بلّا سنگھ نام نے کہا کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لے جاتا ہوں۔مرزا صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو تو ثابت ہو جائے گا کہ کون بہت دوڑتا ہے۔آخر شیخ الہ داد صاحب منصف مقرر ہوئے اور یہ امر قرار پایا کہ یہاں سے شروع کر کے اس پل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حدِ فاصل ہے ننگے پاؤں دوڑو جوتیاں ایک آدمی نے اٹھا لیں اور پہلے ایک شخص اس پل پر بھیجا گیا تا کہ وہ شہادت دے کہ کون سبقت لے گیا اور پہلے پل پر پہنچا۔مرزا صاحب اور بلا سنگھ ایک ہی وقت دوڑے اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔جب پل پر پہنچے تو ثابت ہوا کہ حضرت مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا۔
خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس قسم کی غیرتِ دینی سے متعلق ایک واقعہ حضرت مولوی اسماعیل شہید رحمہ اللہ علیہ کو بھی پیش آیا تھا جو ایک سکھ سے تیراکی کے مقابلہ کی بابت ہے کہ آپ نے اس کو تیرنے میں شکست دی تھی۔''

(حیات طیبہ . مطبوعہ انڈیا. صفحہ26)

1893ء میں امرتسر میں حضرت مسیح موعودؑ کا عیسائیوں کے ساتھ ایک مباحثہ ہوا جس کا نام جنگ مقدس رکھا گیا۔اس موقعہ پر ''ڈاکٹر پادری مارٹن کلارک نے چائے کی دعوت پر آپؑ کو اور آپؑ کے خدام کو بلانا چاہا۔آپؑ نے محض اس بناء صاف انکار کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی تو بے ادبی کرتے ہیں اور مجھے چائے کی دعوت دیتے ہیں، میں نہیں پسند کرتا۔ہماری غیرت تقاضا ہی نہیں کرتی کہ ان کے ساتھ مل کر بیٹھیں سوائے اس کے ہم ان کے غلط عقائد کی تردید کریں۔''

(سیرت حضرت مسیح موعود صفحہ 272. از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو بھی ایک موقعہ پر چائے کی پیشکش کی گئی اور آپؒ نے بھی غیرتِ ایمانی کے جذبہ سے اسے قبول کرنا پسند نہ فرمایا۔اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب جماعت احمدیہ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے تو انہوں نے حضرت خلیفہ ثالثؒ کو اپنی سرکاری رہائش گاہ پر ملاقات کی دعوت دی۔ جماعت کے خلاف اس ظالمانہ اور تعزیری آئینی ترمیم کے باوجود وہ جماعت احمدیہ کی تائید اور امداد کے خواہش مند تھے۔بھٹو صاحب کا عذر یہ تھا کہ ''وہ دلی طور پر ایسی ترمیم نہیں چاہتے تھے اور ان کے نزدیک ان کی کی ہوئی ترمیم کا دائرہ کار نہایت محدود اور خالصتاً آئینی تھا اور مقصد اس کا صرف اتنا تھا کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ آئین کی روشنی میں احمدی مسلمان ہیں یا نہیں۔ نیز یہ کہ ترمیم کسی صورت میں بھی احمدیوں کے اس حق پر اثر انداز نہیں ہوگی کہ وہ اپنے مذہب پر جس طرح چاہیں عمل کریں۔ ہم بنیاد پرستوں کا منہ بند کرنا چاہتے تھے اس لیے یہ ترمیم پیش کرنے پر ہم مجبور تھے۔اس موقف کو انہوں نے بار بار دہرایا۔ کہنے لگے ہم برے تو ہیں لیکن دوسری سیاسی پارٹیوں سے بہتر ہیں۔ بولے مجھ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ جماعت کے خلاف اس سے بھی زیادہ سخت قدم اٹھاؤں لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔''

آخر میں چائے آ گئی اور بھٹو صاحب نے ایک پیالی بنا کر حضرت خلیفہ ثالثؒ کی خدمت میں پیش کی، آپؒ نے چائے پینے سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ ملکی حکومت کے سربراہ ہیں اور میں اس ملک کا شہری ہوں۔آپ نے مجھے بلوایا اور میں آپ کے بلاوے پر آ گیا۔ایک شہری کی حیثیت سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا تھا جو میں نے ادا کر دیا۔لیکن یہ امر کہ میں آپ کی میزبانی بھی قبول کروں بالکل الگ معاملہ ہے۔خصوصاً جبکہ آپ نے جماعت احمدیہ کے خلاف ایسی معاندانہ اور یک طرفہ کاروائی کی ہے۔اس لیے معذرت چاہتا ہوں، میں چائے کی یہ پیالی نہیں پی سکتا''۔ بھٹو ایک بڑے خود پسند اور متکبر انسان تھے یہ الفاظ سن کر منجمد ہو کر رہ گئے۔ پیالی ان کے ہاتھ میں تھی جسے آہستہ سے انہوں نے میز پر رکھ دیا

(ایک مرد خدا. صفحہ175 تا صفحہ176)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تربیت یافتہ آپ کی ساری جماعت آپ ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام اور بانی اسلام کے لیے عشق و محبت کے بے پناہ جذبے سے سرشار ہے۔حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب اپنی والدہ کی دینی غیرت کے واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''سلسلہ کے متعلق انہیں انتہاء درجہ کی غیرت تھی۔اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام، سلسلہ احمدیہ، خاندانِ نبوت اور بزرگانِ سلسلہ کے متعلق کسی قسم کی گستاخی یا ناروا حرکت برداشت نہ کر سکتی تھیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جس زمانہ میں والد صاحب سلسلہ میں داخل ہوئے اُنہیں مثنوی مولانا رومؒ سے بہت دلچسپی تھی اور فرصت کے وقت ایک صاحب کے ساتھ جو بظاہر صوفیانہ اور فقیرانہ طرز رکھتے تھے مثنوی پڑھا کرتے تھے۔ایک دفعہ یہ صاحب کسی تعطیل کے دن ہمارے مکان پر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ والد صاحب کہاں ہیں؟ دفتر میں شاید اس وقت کوئی محرر یا ملازم موجود نہیں تھا۔ان صاحب نے خیال کیا کہ شاید والد صاحب پہلی منزل پر ہوں۔انہوں نے بلند آواز سے والد صاحب کو بلایا۔ والدہ صاحبہ نے مجھے فرمایا کہہ دو چوہدری صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ میں نے یونہی کہہ دیا۔ ان صاحب نے دریافت کیا کہاں ہیں۔والدہ صاحبہ نے کہا: کہہ دو قادیان گئے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر ان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں کوئی خلافِ ادب کلمہ کہا۔اب تک تو والدہ صاحبہ میری معرفت جواب دے رہی تھیں۔ یہ کلمہ سنتے ہی غصے سے بیتاب ہو گئیں اور کھڑکی کے پاس جا کر جوش سے ان صاحب سے کہا۔''تم نے بہت ظلم کیا ہے، اگر خیریت چاہتے ہو تو اسی وقت میرے مکان سے نکل جاؤ۔کوئی ہے ملازم یہاں؟ نکال دو اس گستاخ بڈھے کو۔اور یاد رکھو پھر کبھی یہ اس مکان میں داخل نہ ہونے پائے۔اب آلے اس کا دوست جس کے ساتھ مثنوی پڑھنے کے لیے یہاں آتا ہے تو لوں گی اس کی خبر کہ ایسے بے ادب گستاخ کے ساتھ کیوں نشست برخاست رکھی ہوئی ہے؟''

وہ صاحب تو اسی وقت چلے گئے۔والد صاحب کی واپسی پر والدہ صاحبہ نے بہت رنج کا اظہار کیا اور اصرار کیا کہ اب وہ صاحب کبھی ہمارے مکان کے اندر داخل نہ ہوں۔ چنانچہ اس دن کے بعد پھر وہ ہمارے مکان پر نہیں آئے۔''

(میری والدہ صفحہ83 ,82مؤلفہ حضرت چوھدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ مطبوعہ احمد اکیڈمی ربوہ . سن اشاعت1982ء)

آپؓ مزید اپنی والدہ صاحبہ کے متعلق لکھتے ہیں:

1935ء میں ایک احراری نے صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحبؓ پر حملہ کیا تو والدہ صاحبہ کو یہ واقعہ سن کر بہت قلق ہوا۔کھانا پینا موقوف ہو گیا، نیند اڑ گئی اور آنسو بند ہونے میں نہیں آتے تھے۔ چند دن کے بعد خاکسار سے فرمایا: ظفر اللہ خان! میں بہت سوچتی ہوں کہ جب اس واقعہ کو سن کر میرا یہ حال ہے تو اماں جان (حضرت امّ المؤمنینؓ) کا کیا حال ہوگا۔پھر مجھے خیال آتا ہے کہ میں اس معاملہ میں کیا کر سکتی ہوں۔ دو تین روز ہوئے ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے۔اس کے بعد میں نے بہت دعائیں کی ہیں اور مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تجویز پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

میں نے دریافت کیا کہ کیا تجویز ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ لیڈی ولنگڈن میرے ساتھ بہت محبت کا اظہار کرتی ہیں اور میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ انہیں ضرور میرے ساتھ لگاؤ ہے اگر تم ان کے ساتھ میری ملاقات کا وقت مقرر کرا دو

اور وائسرائے بھی اس وقت موجود ہوں تو میں ان کے سامنے بیان کروں کہ سلسلہ کے ساتھ حکومت کی طرف سے کیسا سلوک ہو رہا ہے اور اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کے لختِ جگر پر ایک آوارہ آدمی نے حملہ کر دیا ہے۔ میں اب بوڑھی عورت ہوں میرے متعلق تو پردہ کی بھی کوئی سخت پابندی نہیں اور میرے دل میں بار بار یہ بات اٹھتی ہے کہ میں وائسرائے کے سامنے جا کر یہ شکوہ کروں۔ میں نے کہا ملاقات کا انتظام تو میں کردوں گا اور ترجمانی کے لیے ساتھ بھی چلوں گا۔ بات ساری آپ نے خود ہی کرنی ہوگی۔ وقت مقررہ پر ہم دونوں وائسرائے اور لیڈی ولنگڈن کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مزاج پرسی کے بعد وائسرائے صاحب نے کہا ظفر اللہ خان نے مجھے کہا ہے کہ آپ اپنی جماعت کے متعلق مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔ وائسرائے کے سوال پر والدہ صاحبہ نے فرمایا: ہاں میں نے بہت غور کے بعد آپ تک پہنچنے کی جرأت کی ہے۔ میں احمدیہ جماعت کی ایک فرد ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام نے جو ہمارے سلسلہ کے بانی تھے، ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم سلطنت برطانیہ کے وفادار رہیں اور اس کے لیے دعا کرتے رہیں۔ میں باقی جماعت کے متعلق تو نہیں کہہ سکتی لیکن اپنے متعلق وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی اس ہدایت پر باقاعدہ عمل کرتی رہی ہوں۔ لیکن دو سال کے عرصہ سے پنجاب کی حکومت کا ہماری جماعت کے ساتھ برتاؤ کچھ ایسا غیر منصفانہ ہو گیا ہے اور ہمارے امام اور ہماری جماعت کو ایسی ایسی تکالیف پہنچ رہی ہیں کہ دعا تو میں اب بھی کرتی ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کا حکم ہے لیکن اب دعا دل سے نہیں نکلتی کیونکہ میرا دل خوش نہیں ہے۔

ابھی چند دن کا ذکر ہے کہ ایک آوارہ اور شہدے شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے اور ہمارے امام کے چھوٹے بھائی پر حملہ کر دیا اور انہیں ضربات پہنچائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہمیں اپنی جانوں سے بھی پیاری ہے اور میں نے جب سے اس واقعہ کی خبر سنی ہے، میں نہ کھا سکتی ہوں، نہ پی سکتی ہوں، نہ مجھے نیند آتی ہے۔ یہ فقرے والدہ صاحبہ نے کچھ ایسے درد سے کہے کہ لیڈی ولنگڈن کا چہرہ بالکل متغیر ہو گیا۔ اور انہوں نے جھنجھلا کر وائسرائے سے دریافت کیا کہ یہ کیا واقعہ ہے اور آپ نے کیوں مناسب انتظام نہیں کیا؟ وائسرائے نے جواب دیا۔ یہ امور گورنر صاحب پنجاب کے اختیار میں ہیں اور میں ان کے نام کوئی حکم جاری نہیں کر سکتا۔ والدہ صاحبہ نے کہا آپ انہیں نرمی اور محبت سے سمجھائیں کہ وہ ہماری شکایات کو رفع کریں۔ وائسرائے نے کہا: ہاں میں ایسا ضرور کروں گا۔''

(میری والدہ. تلخیص از صفحہ 85 تا 89 مؤلفہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ مطبوعہ احمد اکیڈمی ربوہ . سن اشاعت 1982ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اور اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔''

(انوار الاسلام. روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابانوں کے درندوں سے صلح کر لیں تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کر سکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے۔''

(مضمون جلسہ لاہور منسلکہ چشمہء معرفت صفحہ 14)

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

''اس زمانہ میں جو کچھ دین اسلام اور رسول کریم ﷺ کی توہین کی گئی اور جس قدر شریعتِ ربانی پر حملے ہوئے اور جس طور سے ارتداد اور الحاد کا دروازہ کھلا کیا اس کی نظیر کسی دوسرے زمانہ میں بھی مل سکتی ہے؟...... دل رو رو کر یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دنیا کے عزیز ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دُکھتا جو ان گالیوں اور توہین سے جو ہمارے رسول کریم کی کی گئی، دُکھا۔''

(آئینہ کمالات اسلام بحوالہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریروں کی رو سے صفحہ 482 تا صفحہ 483)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

''میری نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ میری بیوی کی عمر چھوٹی تھی۔ میرے ایک دوست تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری بیوی تمہاری بیوی سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا کہ شوق سے وہ آئیں۔ چنانچہ وہ آئی۔ میری بیوی کو دیکھتے ہی ایک بڑا ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا کہ ہائے تیری تو قسمت پھوٹ گئی۔ تو تو ابھی بچی ہے اور تیرے ماں باپ اور بھائیوں نے مولوی صاحب کے ساتھ تیری شادی کر دی جو تیرے باپ کے ہم عمر ہیں۔ میں نے تو اپنی بیٹی کی شادی ایک نہایت خوبصورت اور جوان شخص کے ساتھ کی ہے۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ یہ کون عورت ہے؟ میں نے کہا کہ ہمارے ایک دوست کی بیوی ہے۔ میری بیوی نے کہا کہ یہ مجھ سے ایسا ایسا کہتی ہے اور اس کی سب باتیں اس کے سامنے ہی نقل کر دیں۔ وہ سنتے ہی فوراً وہاں سے چل دی۔ مجھ کو کچھ کہنے کی بھی نوبت نہ پہنچی۔ اس کی لڑکی کی جس شخص کے ساتھ شادی ہوئی تھی، یعنی اس کا داماد تپ دق سے جلد مر گیا۔ پھر دوسرے کے ساتھ شادی کی۔ چند روز کے بعد قریباً ایک ہزار روپیہ دے کر اس سے طلاق حاصل کی۔ اب بھی وہ لڑکی موجود ہے۔ قرآنِ کریم میں اسی واسطے علی العموم عورتوں کو گھروں میں آنے سے روکا گیا ہے۔ دیکھو سورۃ نور۔''

(مرقاۃ الیقین فی الحیاۃ نور الدین صفحہ 205)

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا

سالانہ اجتماع

مؤرخہ 26.27.28 اکتوبر 2007ء

بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار

بمقام بیت الفتوح مورڈن منعقد ہوگا۔انشاءاللہ۔

تمام انصار کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے اجتماع میں بھرپور تیاری کے ساتھ شامل ہوں مزید معلومات کے لئے اپنے زعیم صاحب یا ریجنل ناظم صاحب سے رابطہ کریں۔اجتماع کے موقع پر علمی و ورزشی مقابلہ جات کے لئے نصاب درج ذیل ہوگا۔

تلاوت قرآنِ کریم: سورۃ بقرۃ آیت 278 یا سورۃ الکھف پہلی 5 آیات یا سورۃ المؤمنون پہلی 6 آیات یا سورۃ الجمعہ پہلی 5 آیات یا سورۃ الحشر آیات 23 تا 25

نظم: درثمین، کلام محمود، کلامِ طاہر یا درِعدن سے تین اشعار (دہرانے کی اجازت نہ ہوگی) تقریر: عناوین۔نظامِ خلافت، ''وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت''

سیرت حضرت رسولِ اکرم ﷺ، ''قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے'' تقریر کا وقت تین منٹ ہوگا۔تقریر فی البدیہہ: وقت صرف دو منٹ۔اس کے علاوہ کتاب Teaching of Islam سے مقابلہ کوئز بھی ہوگا۔ہر ریجن سے ایک ٹیم جس کے چار ممبر ہونگے حصہ لے سکتی ہے

سرائے انصار

محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے مجلس انصار برطانیہ نے (33 Gressenhall Road) مسجد فضل کے بالمقابل گیسٹ ہاؤس خرید کیا ہے۔حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے اس کا نام ''سرائے انصار'' عطا فرمایا ہے۔مورخہ 21 جولائی حضور ایدہ اللہ نے بنفسِ نفیس تشریف لا کر گیسٹ ہاؤس کا افتتاح فرمایا۔ حضور نے تمام کمروں اور باہر لان کا معائنہ فرمایا اور پھر اس موقعہ پر موجود مجلس عاملہ کے ممبران سے مصافحہ فرمایا اور بعد ازاں حضور نے دعا کروائی۔اس موقعہ پر مکرم رفیق احمد حیات صاحب امیر جماعت احمدیہ برطانیہ، مکرم مولانا عطاالمجیب راشد صاحب، مکرم ومحترم میر محمود احمد ناصر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ اور مکرم راجہ نصیر احمد صاحب ناظر اصلاح وارشاد بھی تشریف فرما تھے۔علاوہ ازیں جلسہ سالانہ پر آئے ہوئے بعض مہمان بھی دعا میں شامل ہوئے۔احباب کی خدمت میں دعا کی درخواست ہے کہ مولا کریم مجلس کی اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور بیش از بیش کامیابیوں اور ترقیات کا پیش خیمہ بنادے۔آمین۔

انصار ڈائجسٹ

محمود احمد ملک

اس کالم میں قارئین کی طرف سے موصول شدہ دلچسپ اور مفید تحریریں شامل اشاعت کی جاتی ہیں۔ قارئین خود لکھ کر یا اپنے زیر مطالعہ کسی کتاب یا رسالہ سے اخذ کر کے ہمیں کچھ بھی بھجوا سکتے ہیں۔ تحریر مختصر اور با حوالہ ہونی چاہئے۔ ہمارا پتہ ہے: Ansar Digest, 22 Deer Park Road, London SW19 3TL

طویل سفر کے نقصانات

عالمی ادارۂ صحت نے خبردار کیا ہے کہ طویل پرواز میں سفر کرنے والوں کے خون کے منجمد ہو کر لوتھڑے بن جانے کا خطرہ دُگنا ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جان لیوا مرض Deep Vein Thtombosis (DVT) ہو سکتا ہے۔ اس مرض میں لمبا عرصہ حرکت نہ کرنے کے نتیجے میں وین میں خون منجمد ہو جانے سے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بعد میں یہی لوتھڑا جب پھیپھڑے، دل یا دماغ کی طرف حرکت کرتا ہے تو ہارٹ اٹیک، فالج یا اسی قسم کی دیگر تکالیف کا باعث بن سکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق چار گھنٹے کے ہوائی سفر کے نتیجے میں DVT ہو جانے کا خطرہ دوگنا ہو جاتا ہے۔

ادارۂ صحت کا کہنا ہے کہ اس مرض کا شکار ہوائی مسافروں کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو ٹرین یا کاروں وغیرہ میں لمبا سفر کرتے ہیں۔ اس مرض سے بچاؤ کی ہدایات میں کہا گیا ہے کہ لمبے سفر کے دوران اپنے ٹخنوں اور ٹانگوں کے نچلے حصوں کی مسلسل ورزش کرتے رہیں یا اٹھ کر چند قدم چل کر پھر دوبارہ بیٹھ جائیں۔ نیز لمبے سفر سے قبل پانی میں گھلنے والی اسپرین لینے سے یا سفر کے دوران مسلسل پانی کا استعمال کرنے سے بھی ان لوتھڑوں کو بننے سے روکا جا سکتا ہے۔

ایڈز کے علاج میں پیش رفت

سائنسدانوں نے ایڈز کے علاج سے متعلق ایک اہم پیش رفت کی ہے اور وائرس کو متاثرہ سیل سے الگ کرنے کا طریق معلوم کر لیا ہے۔ سائنس میگزین میں شائع کئے جانے والے ایک مطالعے کے مطابق سائنسدانوں نے ایک ایسا حیاتیاتی مرکب یعنی اینزائم تیار کی ہے جو HIV وائرس کے DNA پر حملہ کر کے اُسے متاثرہ سیل سے نکال باہر کرتی ہے۔ یہ اینزائم ابھی تیاری کے مراحل میں ہے اور اس کے تیار ہو جانے کے بعد امید ہے کہ چالیس ملین مریض اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ موجودہ علاج کے ذریعے اس مرض کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جرثومے کے حملے کو تاخیر کا شکار بناتے ہوئے مریض کی زندگی کو بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ایڈز میں جان لیوا بات یہ ہے کہ اس سے متاثرہ خلیات ہی اس مرض کو مزید ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ متاثرہ خلیات کے بڑھنے کی رفتار کو ختم کرنے کے لئے نئی تیار کی جانے والی اینزائم بہت مفید ثابت ہوئی ہے اور لیبارٹری میں کئے جانے والے تجربات میں اس مرض کو صرف تین ماہ میں ختم کر دیا گیا۔ تاہم اس دوائی کو انسانوں پر استعمال کرنے تک ابھی بہت سا وقت نیز بہت سے مالی وسائل کی بھی ضرورت ہے۔



منی جنریٹر

یونیورسٹی آف ساؤتھ ہیمپٹن میں سائنسدانوں نے ایک چھوٹا سا جنریٹر تیار کیا ہے جو ایسے آلات کو چلانے کے کام آئے گا جن میں بیٹری کی تبدیلی ایک مشکل امر ہے۔ اس جنریٹر کا استعمال وائرلیس، سینسرز اور دیگر آلات میں بھی ہوگا۔ سائنسدانوں کے مطابق یہ جنریٹر دوسرے آلات کے مقابلہ میں دس گنا زیادہ کارآمد ہے اور بڑے بڑے صنعتی اداروں کی مشینوں میں نصب سینسرز کو چلانے کیلئے کافی ہے۔ چنانچہ تار اور بیٹری نہ ہونے کی وجہ سے یہ سینسر اب ایسی جگہوں پر بھی لگائے جا سکتے ہیں جہاں پہلے ان کی تنصیب ممکن نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اس جنریٹر کا استعمال سڑکوں اور ریل کے پلوں پر لگے ہوئے سینسرز میں بھی کیا جا سکے گا۔ دراصل یہ جنریٹر ایئر کمپریشر کے اندر لگانے کے لئے بنایا گیا ہے جو مستقبل میں پیس میکر اور دیگر طبی آلات کو چلانے میں بھی مددگار ہو سکتا ہے۔ پیس میکر میں انسانی دل کی دھڑکن اس آلے میں لگے مقناطیس کو چلانے کے لئے کافی ہوگی۔



جینیاتی نقائص کے لئے ایک نئی دوا

PTC124 کے نام سے بنائی جانے والی ایک نئی دوا اب بعض جینیاتی امراض کے علاج میں مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس دوا سے جین میں ہونے والی تبدیلیوں کو واپس نارمل حالت میں لایا جا سکتا ہے۔ مسلز میں پیدا ہونے والی کمزوری اور سسٹک فائبروسس کے ہزاروں مریض بھی اس کے ذریعے اپنا علاج کر سکیں گے یا اُن کی بیماری کو کم کیا جا سکے گا۔ توقع ہے کہ اگر اس دوا کے لئے کئے جانے والے تجربات مقررہ وقت پر نتائج مہیا کرتے رہے تو آئندہ دو سال میں یعنی 2009ء تک اس دوا کو عام افراد کے لئے مارکیٹ میں پیش کر دیا جائے گا۔

اس دوا کے ذریعے جین میں ہونے والی تقریباً تمام تبدیلیوں کا علاج ممکن ہو سکتا ہے جبکہ عموماً بیماری پیدا ہونے کی وجہ صرف ایک جین میں تبدیلی ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دوا سے وراثت میں ملنے والے بہت سے عوارض دُور کرنے میں مدد مل سکے گی۔ اس تحقیق کی سربراہ یونیورسٹی آف پینسلوینیا کی لی سوینی ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ یہ دوا ہزاروں امراض کے لئے فائدہ مند ثابت ہو سکے گی۔



برازیل میں ایڈز کی دوا

کچھ عرصہ قبل برازیل کے صدر نے ایک امریکی دواساز کمپنی کے علاوہ کسی اور کمپنی سے ایڈز کی دوائی خریدنے پر پابندی ختم کرنے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان کمپنی کے ساتھ ہونے والے مذاکرات میں ناکامی کے بعد کیا گیا۔ امریکی کمپنی نے برازیل کو دوا کی قیمت میں تیس فیصد کم کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن برازیل کا مؤقف تھا کہ اُسے یہ دوا اُسی قیمت پر ملنی چاہئے جس قیمت پر تھائی لینڈ کو مہیا کی جارہی ہے۔ برازیل کو دوا کی ایک گولی کی قیمت 1.10 ڈالر رکھی گئی تھی جبکہ تھائی لینڈ کو

یہی گولی 65 سینٹ میں دستیاب تھی۔ چنانچہ برازیل ''ایفاوائریز'' نامی دواکواب قدرے کم قیمت پر بھارت سے درآمد کرے گا اور اس گولی کی قیمت 45 سینٹ ہوگی۔ برازیلین صدر کا کہنا ہے کہ اخلاقی طور پر دیکھا جائے تو قیمت میں اتنا زیادہ فرق قابل مذمت ہے اور سیاسی طور پر دیکھا جائے تو دواساز کمپنی کے نزدیک برازیلین شہری قابل احترام نہیں ہیں بلکہ دوسرے ممالک سے کم تر ہیں۔ عالمی ادارۂ صحت کے قواعد اور برازیلین قوانین کے مطابق کسی اور سے دوائی خریدنے کے لئے لائسنس اُسی وقت جاری کیا جاسکتا ہے جب ہنگامی حالت ہو یا جب ادویات کی بڑی کمپنی قیمتوں کے حوالے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہی ہو۔ اس وقت برازیل میں قریباً75 ہزار افراد یہ دوا استعمال کررہے ہیں اور اِن افراد سمیت پونے دولاکھ سے زیادہ مریضوں کو برازیل کی حکومت کی طرف سے ایڈز کی ادویات مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

❀ ❀ ❀

الرجی کا علاج......ناک میں سپرے

امریکی ادارۂ خوراک و ادویات FDA نے الرجی کیلئے ایک دوا Veramyst کی منظوری دی ہے جسے موسمی یا سالانہ بنیاد پر ہونے والی الرجی میں ناک کے سپرے کے طور پر استعمال کیا جاسکے گا۔ یہ سپرے دو سال سے بڑی عمر کے بچے اور بالغ افراد استعمال کرسکتے ہیں۔ یہ دوا آئندہ چند دنوں تک مارکیٹ میں پیش کردی جائے گی۔ اس دوا کے تجربہ کے دوران یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ناک کی قریباً تمام قسم کی الرجی کی شکایات اس کے استعمال کے نتیجے میں ختم ہوگئیں جن میں ناک کی بندش، چھینکوں کا آنا، ناک میں خارش ہونا اور ناک سے پانی کا بہنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ناک میں سپرے کے ذریعے داخل کی جانے والی پہلی دوا ہے جس نے آنکھ کی الرجیز کو بھی نمایاں طور پر کم کیا جن میں آنکھ کی سرخی، خارش اور آنکھوں سے پانی کا بہنا شامل ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اس دوا کا اثر چوبیس گھنٹے تک برابر رہا۔ مجموعی طور پر پانچ تجرباتی مشاہدات کے دوران بارہ سال سے بڑی عمر کے 1829 مریضوں پر ویرامسٹ کے اثرات کا جائزہ لیا گیا۔ تمام مطالعاتی مشاہدات میں اِسے دیگر دواؤں سے زیادہ مؤثر پایا گیا۔

❀ ❀ ❀

ذیابیطس کی نشاندہی میں آسانی

سائنسدانوں نے جینز کے ایک گروپ کو دریافت کیا ہے جس کے ذریعے مستقبل میں ذیابیطس ٹائپ ٹو کے مرض کی نشاندہی کی جاسکے گی۔ اگرچہ ذیابیطس کو کافی حد تک وراثتی بیماری کہا جاتا ہے تاہم اس تحقیق کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کیونکہ جینز میں ہونے والی تبدیلیوں کے ذریعہ risk factor میں اضافے کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے دنیا کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں کی چار مختلف ٹیموں نے مشاہدات کئے اور تیس ہزار سے زیادہ ٹائپ ٹو کے مریضوں کے DNA کے نمونوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے نتائج مرتب کئے۔

❀ ❀ ❀

معاشرتی تنہائی

آکسی ٹوسن دماغ سے نکلنے والی ایک رطوبت ہے جو معاشرتی رویوں کی نگرانی کرتی ہے۔ اس رطوبت کے اثرات پر تحقیق کرنے والی ایک ٹیم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جانوروں کی مادہ نسل میں یہ رطوبت اُن جانوروں میں پیدا ہونے والے منفی اور خطرناک قلبی رجحان کو بہتر کرسکتی ہے جو معاشرتی تنہائی کی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ تحقیق اب انسانوں میں معاشرتی رویوں کے حوالے سے زیادہ اہمیت اختیار کرجائے گی۔ کیونکہ انسانی معاشرتی ماحول ہماری عادات اور قلبی وارداتوں کو جاری رکھنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے اور منفی معاشرتی ماحول جس میں تنہائی یا معاشرتی سرگرمیوں سے کٹ جانا شامل ہے، انسانی ڈپریشن، فکر اور پریشانی میں اضافے کا باعث بننے کے علاوہ قلبی امراض میں بھی اضافے کا باعث بن سکتا ہے۔ تحقیق میں معلوم ہوا کہ تنہائی میں رہنے والے جانوروں میں دل کے دھڑکنے کی شرح بھی معمول سے زیادہ تھی جو آکسی ٹوسن دینے کے بعد معمول پر آگئی اور دل کی حالت میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ پر بھی مثبت اثر ہوا۔

یہ تحقیق جو شکاگو کی ایک یونیورسٹی کے زیر انتظام کی جارہی ہے، اس کا لبّ لباب امیریکن فزیالوجیکل سوسائٹی کی 120 ویں سالانہ میٹنگ میں پیش کیا جائے گا جو تجرباتی حیاتیاتی علوم کی کانفرنس کے ایک حصے کے طور پر منعقد کی جارہی ہے۔ اس کانفرنس میں بارہ ہزار سے زیادہ سائنسی محققین شامل ہوں گے۔

❀ ❀ ❀

دماغی رسولی کے علاج میں پیش رفت

ایک تحقیق کے مطابق مینڈک کے انڈوں میں پائے جانے والے ایک مصنوعی مرکب سے دماغی رسولی کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ برطانوی و امریکی سائنسدانوں کے مطابق Amphinase نامی یہ مرکب رسولی پر موجود چینی کی تہہ کو پہچان کر اُس پر حملہ کرتا ہے اور اُسے مضبوتی سے پکڑ کر اُس میں داخل ہوکر اُسے ماردیتا ہے۔ مالیکیولر بیالوجی پیپر کے جرنل میں توقع کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ مرکب کئی قسم کے کینسرز کے علاج میں مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ البتہ یونیورسٹی آف باتھ کے محققین کو یقین ہے کہ یہ مرکب دماغی رسولی کے لئے بہترین ہے جس کا علاج سرجری اور کیموتھراپی سے ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ اس مرکب کو تیار کرنا بھی زیادہ مشکل نہیں ہے اور دماغی رسولی پر اس کے اثرات غیر معمولی دیکھے گئے ہیں جبکہ دیگر خلیات یا جسم کے دوسرے حصوں کے لئے یہ بے اثر دکھائی دیتا ہے۔

❀ ❀ ❀

بھوک ختم کرنے والی گولی

اٹلی کے سائنسدانوں نے ایک ایسی گولی تیار کی ہے جو معدہ میں پہنچ کر اپنے سائز میں بڑھ جاتی ہے اور اس طرح بھرے ہوئے پیٹ کا احساس ہونے لگتا ہے جس سے چند گھنٹوں تک بھوک روکی جاسکتی ہے اور نتیجۃً موٹاپے پر کسی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ گولی اُسی قدر اثرات کی حامل ہے جس قدر کہ گیسٹرک بائنڈنگ، جس میں سرجری کے ذریعے پیٹ کو اندرونی طور پر باندھ دیا جاتا ہے۔ ہائیڈروجل سے تیار کی جانے والی یہ گولی اُس وقت بنائی گئی جب سائنسدان زیادہ مواد جذب کرنے والا نیپی تیار کررہے تھے۔ سیلولوز کے سفوف پر مشتمل یہ گولی پانی کے ساتھ نگلی جائے تو معدہ میں جیلی کی طرح پھول جاتی ہے اور بعد میں باآسانی ہضم ہوسکتی ہے۔ مضمون کی اشاعت تک اس گولی کو صرف بیس افراد پر آزمایا گیا تھا جبکہ اس کے بداثرات کا جائزہ لینے کیلئے وسیع پیمانے پر اس کو استعمال کیا جارہا ہے۔ فی الحال اس دوا کو کوئی نام نہیں دیا گیا۔

❀ ❀ ❀